



حقائق

ہنفوات المناہقین

تصنیف لطیف

بشیر دوانی صاحب دہلی، مولانا محمد خلیفہ مسیحی نے سرور تعالیٰ بنصرہ

جس میں

حضرت انور نے ایک غالی شیعہ کی کتاب ہنفوات المناہقین کے ان بنیاد اعتراضات کا نہایت لطیف اور دل
پیرا بیان فرمایا ہے جو اس نے اپنے کم فہمی سے حضرت ائمہ اسلام پر کیے جنکی نہ حضرت
نبی کریم صلعم اجماع المؤمنین اور اوصیاء کرام پر بھی پڑتی ہے

میں بکریڈ ٹیلیف و انشورنس قادیان نے شائع کیا

تقداد ۱۰۰۰

بار اول

۱۹۲۶

میں بکریڈ ٹیلیف و انشورنس نے وزیر ہند پر جس امرت سمر میں باہتمام بھالی تہا اور سنگیہ منجر و منتر چھپوایا

مختصر فہرست کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نام کتاب مع مضمون	زبان	نام کتاب مع مضمون	زبان
پہرانی تحریریں تین قابل قدر مضامین یعنی دہرہ فرقان کا مقابلہ، الہام کی حقیقت اور آیہ کے قدامت پر مبنی حقیقت۔	اردو	سراج مبینہ چند پیشگوئیوں کا پورا ہونا	اردو
برابریں احمدیہ چار جلدیں فقہ اسلام	اردو	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روایت	اردو
طوبیہ لکھنؤ کو الہام اور حضرت آیات کی تفسیر	اردو	ایام الصلاح۔ دعویٰ مع دلائل و پیشگوئی طاعون۔ اردو	اردو
سیرت چیم آریہ۔ رد آریہ میں ایک مکمل کتاب۔	اردو	حقیقت المہدی۔ آئینہ الامہدی	اردو
شعہ حق۔ آریہ کی تردید میں۔	اردو	صلح کا ہے یا خون۔	عربی
فتح اسلام۔ بیان دعویٰ خود ذکر شیخ شاخ نور الحق۔ ہر دو حصہ۔ روایت عیسائیت و پیشگوئی کسوف خسوف	عربی	اربعین ہر چار نمبر نشان صداقت	اردو
آسمانی فیصلہ دعا دریمہ مخالفین سے فیصلہ	اردو	مرسلین اور ایک نعمت کی طرف دعوت	اردو
کربکی تجویز اور ستارہ کا طرز۔	اردو	خطبہ الہامیہ۔ قربانی کی اصل حقیقت	عربی
انوار الاسلام۔ روایت عیسائیت۔ عبد اللہ آفتم والی پیشگوئی کی تفصیل۔	اردو	وثبوت دعویٰ خود و تفسیر چند آیات	اردو
نور القرآن۔ خصوصیت روایت عیسائیت میں اور دیگر مذاہب باطلہ میں۔ مکمل	اردو	حزب باقی القلوب۔ چند پیشگوئیوں کے گواہوں کے نام اور پورا ہونے کی تفصیل	اردو
ضیاء الحق۔ روایت عیسائیت و جواب بعض اعتراضات متعلق پیشگوئی عبد اللہ آفتم۔ استفاء بیکھرام کا قتل پیشگوئی سے ہوا	اردو	حقیقت الوحی۔	اردو
تحفہ قیصرہ۔ شکریہ سلطنت ملکہ معظہ قیصرہ ہند اور ان کے دعوت اسلام	اردو	کشتی نوح۔ طاعون بچنے کا طریق اور احمدی تعلیم کی تفصیل	اردو
		بیکچر لاہور۔ اسلام اور دیگر مذاہب	اردو
		بیکچر سیالکوٹ کرشن ہونی کا ثبوت	اردو
		چشمہ معرفت رد آریہ	اردو
		نزول المسیح نشانات صداقت	اردو
		ایبٹینہ کمالات اسلام	اردو

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدُهُ وَنُصَلِّ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ہوالتا صرا

ایک کتاب مسیحی بہ ہفوات المؤمنین فی تفضیح سید المرسلین و تبیح اہمات المؤمنین من کتب المؤرخین والمفسرین والمحدثین۔ حال ہی میں ایک صاحب کی طرف سے جن کا نام مرزا آجڑن ہے لکھنؤ کے مطبع نور المطالع سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا منشا اس دل آزار اور سب و شتم سے پر کتاب کے شائع کرنے سے ان کے اپنی الفاظ میں یہ ہے کہ مذہب اہل سنت کی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جس میں خدا و انبیاء و رسل کی تفضیح نہ ہو اور سب سے زیادہ تفضیح حضور محمد المرسلین و اہمات المؤمنین کی کتب اسلامی میں ہے لیکن ان جملہ تفضیحات میں حضور سید المرسلین و اہمات المؤمنین کی تفضیحات و تبیحات نہایت روح فرسا اور بیخ کن اسلام ہیں اس لئے ان دو قسموں کی احادیث کو تھوڑے تھوڑے نمونے اس غرض سے پیش کئے جاتے ہیں کہ ہمارے غیور مسلمان اور احادیث و اہمیت و روایات کا ذہن کو کتب اسلامی سے خارج فرما کر خدا اور رسول کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کریں اور چونکہ وہ موضوعہ عبارات بزرگان دین و معتبران اسلام کے نام نامی سے احادیث مشہور کر دی گئی ہیں اس لئے ہفوات امام بخاری اور بالخصوص خاتم کتاب ہذا سے ثابت کروا گیا ہے کہ ایسی جملہ احادیث و ثمنان رسول و معاندان اہمات المؤمنین تحائف ہیں جن کو نا محقق محدثین نے منقولات اسلام کے نام نامی سے دھوکھا کھا کر اپنی ایسی طرح و مسانید و صحاح و سنن و معاجم میں درج کر لیا ہے پس ان کے اخراج و احکام و احراق کرنی ہیں ابراہیم عظیم اور ثواب فہم ہے۔ ہفوات مغفوتہ۔ اس تحریر اور خصوصاً طرز بیان سے معلوم

ہو سکتا ہے کہ مصنف ہفوات کا منشا اس کتاب کی تصنیف سے حق جوئی اور صداقت طلبی نہیں ہے بلکہ پردہ پردہ میں ائمہ اسلام اور بزرگان دین کو گالیاں دینا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس تصنیف کا اصل مخاطب اہل حدیث صاحبان ہیں اور اگر وہی مسلک ہم اختیار کرتے جو وہ لوگ ہمارے متعلق اختیار کیا کرتے ہیں تو شاید ہمارا طریق بھی یہ ہوتا کہ ہم اس جنگ کا لطف دیکھتے اور ایک دوسرے کی فیضیت اور تحقیر کو خاموشی سے ملاحظہ کرتے لیکن چونکہ ہمارا رویہ تقویٰ پر مبنی ہے اور اسلام کی محافظت اور اس کے خزانہ کی نگرانی کا کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے اس لئے میری غیبت کرنے برداشت نہ کیا کہ یہ کتاب بلا جواب کے رہے اور اسلام کے چھپے دشمن اسلام کے ظاہری دشمنوں کے ساتھ ملکر اس کے اندر رخنہ اندازی کر نیک کام بلاروک ٹوک کرتے چلے جائیں۔

کسی مذہب کی خوبی اسکے ثمرات سے پہچانی جاتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں "ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے اور برادرخت بُرا پھل لاتا ہے۔ اچھا درخت بُرا پھل نہیں لاسکتا نہ برادرخت اچھا پھل لاسکتا ہے۔ جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے پس ان کی پھلوں سے تم انہیں پہچان لو گے" متی باب آیت ۱۹۔ اگر ایک شخص دنیا کی اصلاح اور اسکے درست کر نیکی کے لئے مامور ہو نیکار دعویٰ کرتا ہے لیکن اسکی سبکدوشیوں اور کثرت جاتی ہیں اور وہ ایک ایسی جماعت چھوڑ جاتا ہے جو بے دین اور منافق اور خدا سے دور ہوتی ہے تو یقیناً اس کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ ایک کام کیلئے بھیجے اور وہ اس کام میں ناکام ہو اسکی تربیت یافتہ اور صحبت سے مستفیض ہونیوالی جماعت کا بیشتر حصہ اسکے اثر سے متاثر ہونا چاہئے اور اسکی تعلیم کا حامل اور عامل ہونا چاہئے ورنہ اسکی آمد فصول اور اسکی بعثت عیش ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک نیک اور پاک جماعت کی تربیت کے باعث ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائے جو بلا تدریج شرارت اور فتنہ کا مجسم نمونہ بن جائے۔

تہذیبہ شرابی آہستگی سے پریرا ہوتی ہے جس قدر جماعتیں دنیا میں خراب ہوئی ہیں تدریجاً ہی خراب ہوئی ہیں اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل کمزور ہوتے ہوئے آخر اسلاف کے اثر مٹ گئے ہیں۔

پس جو شخص یہ بتانا چاہتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کب صحابہ اور ان کو بعد از موت اسلام

کر نیوالے لوگ درحقیقت منافق تھے ایک جماعت تھی اور اسلام صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دم تک تھا یا آپ کے بعد آپ کے چند رشتہ داروں کے دلوں میں اس کا اثر محدود ہو گیا وہ یا تو قانون قدرت اور انبیاء کی شان سے بالکل ناواقف تھے یا پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پوشیدہ دشمن تھے کہ آپ کو ناکام اور نامراد ثابت کرنا چاہتا ہے اور اسلام کو ایک بے ثمر درخت اور بے اثر تعلیم بتا کر دشمنوں کو خوش کرنا اور اسلام کی وقعت کو گرا نا چاہتا ہے۔

دنیا سے اسلام کا بیشتر حصہ ان احادیث پر اپنی بہت سی فقہ اور تفصیلات تعلیم کا انحصار رکھتا ہے اور گو اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر احادیث کی کتب نہ ہوتیں تو اسلام کا کوئی حصہ تو مخفی نہ رہتا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر یہ کتب نہ ہوتیں تو اب جس طرح ایک تدبیر کرنا انسان کیلئے اپنے آقا کے کلام میں اپنے تدبیر کی تائید دیکھ کر ایک خوشی کا سامان پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو عالم خیال میں اپنے محبوب کی مجلس ارشاد میں ہدایت کے موتی چھتے ہوئے بناتا ہے وہ بات نہ رہتی۔ اسی طرح تاریخ اسلام کا ایک بیشتر حصہ بھی جو مردہ رحوں کو تازہ کرنا اور صدیوں کے گزرنے پر بھی استمداد اور شاگرد اور آقا اور غلام اور عکس اور ظن شدید اتصال پیدا کرنا کا موجب ہو جاتا۔ غرض بقیل دین کیلئے گواہ احادیث کی ضرورت نہیں لیکن شیعہ اور قیاس کی رہنمائی کرنے اور اطمینان قلب اور زیادہ تعلق کیلئے وہ ایک بیش بہا ذریعہ ہیں اور سنت کیلئے بھی بطور گواہ ہیں کیونکہ گو سنت حدیث کی محتاج نہیں لاکھوں کروڑوں آدمیوں کا عمل اسپر شاہد ہے لیکن حدیث یہ گواہی تو ضرور دیتی ہے کہ سنت کا تو اثر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا بھی ہے یا کوئی عمل اور طریق بعد کے لوگوں کا اختراع ہے مثلاً اس وقت کروڑوں مسلمان بدعات میں مبتلا ہیں اور وہ اپنے زعم باطل میں یہ بھی سمجھ رہے ہیں کہ یہ کام اسلام کا جزو ہیں اور ہمیشہ سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ حدیث میں اس امر میں مدد دیتی ہے کہ یہ خیالات بعد میں پیدا ہوئے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک انکا پہنچنا تو الگ رہا اس زمانہ میں بھی ان رسوم کا مسلمانوں میں کچھ پتہ نہ تھا۔ جب احادیث جمع کجا رہی تھیں۔ اور صاحب بصیرت کیلئے وہ موجب ہدایت ہو جاتی ہے جیسے اہل شیعہ میں تازیوں کی بد رسم کہ خود بڑے بڑے ائمہ اس رسم کو ناپسند کرتے ہیں انکی ہدایت کا موجب وہ روایات ہی ہوتی ہیں

جو احادیث کے نام سے مشہور ہیں اور انہیں سو معلوم کرتے ہیں کہ اس کام کا ثبوت ائمہ اہل بیت کے عمل سے نہیں ملتا اگر وہ روایات نہ ہوتیں تو وہ کیونکر سمجھتے کہ یہ کام حضرت امام زین العابدین کے زمانہ سے چلا آتا ہے یا بعد میں کسی تماش بین طبیعت نے ایجاد کر کے اپنے ہم مذاق لوگوں کی ہمدردی کو حاصل کر کے اسکا رواج عام کر دیا ہے۔

علم حدیث کا ایک اور فائدہ بھی ہے کہ یہ سنت کے متعلق ہمیں یہ علم بھی دیتا ہے کہ کونسی سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ مرغوب تھی۔ بے شک نسلاً بعد نسل مسلمانوں کا طریق عمل اس امر کو ثوابت کر سکتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کو کس طرح کیا یا کس کس طرح کیا لیکن یہ بات تو اترا ور عمل سے نہیں معلوم ہو سکتی تھی کہ کئی طریقوں پر جو کام کیا گیا ہے ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ پسندیدہ کون سا طریق تھا یا کس طریق پر آپ خود اکثر عمل فرماتے تھے ایک سالک راہ کیلئے اور محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے عاشق کیلئے یہ علم نہایت ہی دل کو تقویت دینے والا اور معلومات کے ذخیرہ کو بڑھانے والا ہے۔

علم حدیث کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے قرآن کریم کے وہ بہت سے معارف جسے ایک عام انسان خود نہیں معلوم کر سکتا تقابلک اعلیٰ درجہ کی روحانیت کے حصول کے بغیر ان پر اطلاع ہی نہیں ہو سکتی تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ظاہر کر دئے گئے ہیں اور ہر ایک شخص ان سے فائدہ اٹھا کر قرآن پر تدبر کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے مثلاً قرآن کریم میں دور کا عذاب ابدی قرار دیا گیا ہے مگر اسے غیر متناہی نہیں قرار دیا گیا لیکن عام طور پر لوگ اس امر کو نہیں سمجھ سکے اور انہوں نے قرآن کریم کی آیات و جمہتی و سمعت کل شیء کی تہ کو نہیں پایا۔ اور نہ اصرہا ویر کی آیت پر غور کیا کہ کیا کوئی شخص ماں کے پیٹ میں ہمیشہ رہتا ہے اور نہ یہ سوچا کہ جنت کے انعامات کی نسبت کیوں باوجود ابد کے الفاظ استعمال ہوئے بغیر جحد و ذر نہ کٹتے والے اور غیر ممنون (نہ کٹنے والے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں کیوں دوزخ کی نسبت یہ الفاظ استعمال نہیں ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا بنین علی جہنم زمان لیس فیہا احد (تفسیر معالم التنزیل سورہ ہود کو ع ۹) فرما کر اس نکتہ معرفت کو جو مخلق کی جان اور معرفت کی روح ہے ہر ایک شخص تک پہنچا دیا اب جو شخص خدا اور تعصب خالی ہو اس

حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔۔

اسی طرح مثلاً قرآن کریم میں مسیح علیہ السلام کے ایک مثیل کی خبر سورہ تحریم میں بایں الفاظ دی گئی تھی کہ وضرب اللہ مثلاً للذین امنوا امرأت فرعون اذ قالت رب انی املی عندك بیتا فی الجنة ونجی من فرعون وعمله ونجی من القوم الظالمین۔ و مرید ابنت عمران التي احصنت فرجها فنحننا فیہ من روحنا وصدقت بکلمات ربھا وکان من القانتین۔ ۲۷۔ یعنی مسلمانوں کی دو اقسام ہیں ایک تو وہ جو نیک ہوتے ہیں مگر کبھی بدی سے مغلوب بھی ہو جاتے ہیں اور ایک وہ جو کبھی پاک ہوتے ہیں مگر اس سے اوپر ایک ترقی کا درجہ بیان فرمایا ہے کہ یہ پاک لوگ جب اللہ تعالیٰ کی وحی سے مشرف ہوتے ہیں تو مریحی صفت سے ترقی کر کے اپنے اندر مردوں والی طاقت پیدا کر لیتے ہیں اور وہ درجہ مسیحیت کا درجہ ہے اور اس میں ایک مثیل مسیح کی خبر دی گئی ہے۔ اسی طرح سورہ زخرف کے چھٹے رکوع میں بیان فرمایا ہے۔ اذا ضرب ابن مریہ مثلاً اذا قومك منه یصدون۔ جب ابن مریہ کو بطور مثال کے بیان کیا جاتا ہے تو تیری قوم اس پر تالیاں پٹتی ہے۔ سوائے اسکے کہ ایک مسیح کی آمد کی خبر دی گئی ہے اور کبھی بھی مسیح علیہ السلام کو قرآن کریم یا حدیث میں یہ طور مثال نہیں پیش کیا گیا پس اس میں بھی ایک مسیح کے رنگ میں رنگین شخص کی آمد کی خبر دی گئی تھی مگر اس نکتہ کو وہی سمجھ سکتا تھا جو یا تو معرفت میں ترقی یافتہ ہو یا پھر خود اس زمانہ کو پالے جس کے متعلق یہ اخبار تھیں پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی ہدایت کیلئے ان الفاظ میں لوگوں کو خبر دی کہ آئندہ زمانہ میں مسیح کا نزول ہو نیوالا ہے اگر آپ نہ بتاتے تو عوام الناس اس سوچ کی انتظار ہرگز نہ کرتے اور اسکے قبول کر نیکی طرف انہیں کوئی توجہ نہ ہوتی۔ غرض احادیث قرآن کریم کے دقیق مسائل کی وہ تفسیر بھی بیان کرتی ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہو کہ کیوں خود قرآن کریم نے اس مضمون کو اس طرز پر بیان نہ کر دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اگر اس اعتراض کی روح کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو تفاوتِ مراتب اور حقیقت تدبر باکھل باطل ہو جائے۔ کئی لوگ اس قدر علم بھی نہیں رکھتے کہ ان معمولی باتوں کو سمجھ سکیں جبکہ معلوم ظاہری رکھنے والا آدمی بھی اسے تدبر سے سمجھ سکتا ہی

لیکن جب وہ شخص ان اشخاص کو تفصیلاً سمجھاتا ہے تو وہ سمجھ لیتے ہیں۔ تو کیا کہہ سکتے ہیں کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے انہیں الفاظ میں قرآن کریم کو نہ اتارا جنہیں صافی یا رازی نے اس مطلب کو ادا کیا ہے تاکہ سب لوگ سمجھ سکتے ہوں شک دوسرے انسانوں کو سمجھانے سے بعض مطالب تو حل ہو جاتے ہیں لیکن اس قدر وسعت مطالب میں نہیں رہتی جو قرآن کے الفاظ میں پائی جاتی ہے۔

غرض یہ کہ احادیث کے مجموعہ سے اسلام کی ترقی میں اور روحانیت کی زیادتی میں بہت مدد ملی ہو اور اسکے فوائد بہت سے ہیں جن میں سے چند ادب پر بیان کئے گئے ہیں اور ان کے فوائد کا انکار سوائے جاہل یا متعصبانہان کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ اور جن لوگوں نے ان کو ضبط اور جمع کیا ہے وہ ہر بہی خواہ اسلام کے شکر یہ اور دعا کے مستحق ہیں جزا ہمد اللہ عناد عن جمیع المسلمین۔

احادیث کے متعلق یہ امر سمجھ لینا ضروری ہے کہ وہ انسانی کوشش کا نتیجہ ہیں جو صحیح حدیث ہے وہ خدا کے رسول کا قول ہو اور جو غلط ہے اس کی غلطی انسانی علم کی کمی کے سبب ہے نہ حدیث کے جمع کرنیوالوں نے اپنی کوششوں کو غلطی سے پاک قرار دیا ہے اور نہ وہ غلطی سے پاک کبھی قرار دی گئی ہیں اسی حیثیت سے ان پر تنقید کرنی چاہئے۔ کونسا کام انسان کا ہے جس میں غلطی نہیں ہوتی۔ پہلے زمانہ کے علوم کے بعض حصوں کو آج کی تحقیق نے باطل ثابت کر دیا ہے مگر اس پر ان علوم کے مدد کرنے والوں کی ذات پر کوئی حرف نہیں آتا۔ موجودہ طب خواہ یونانی ہو خواہ انگریزی اس طب کے ہزاروں گئے بڑھکر ہے جو آج سے پہلے دنیا میں مروج تھی اور آئندہ زمانہ کی ترقیات موجودہ زمانہ کی طب کو بھی پیچھے چھوڑ جائیگی مگر یاد جو اسکے ان لوگوں کے احسان اور ان کی شان میں ہرگز شبہ نہیں کیا جائیگا جنہوں نے آج سے دو ہزار سال پہلے طب کو مدد کیا۔ جالینوس کی سینکڑوں غلطیاں ثابت ہو جائیں پھر بھی وہ جالینوس کا جالینوس ہی رہیگا اور ہر علم دوست انسان اسکے احسان اور اسکے علم کی قدر کرے گا کیونکہ سوال یہ نہیں ہے کہ جالینوس کیا جانتا تھا بلکہ سوال یہ ہے کہ جالینوس نے علم میں کس قدر زیادتی کی اور آئندہ علوم کی ترقی میں کس قدر مدد کی۔ اگر اس کی سوابت غلط ثابت

ہو جائے تو ہو جائے مگر اس میں کیا سنجیدہ ہو کہ اسنے بعض باتیں ایسی دریافت کیں کہ وہ علم
 علوم کی ترقی کیلئے بنیاد ہو گئیں پچھلی تحقیق بے شک اسکی تحقیق سے بڑھ کر ہے مگر اس کی
 تحقیق نہ ہوتی تو یہ بعد کی تحقیق بھی نہ ہوتی۔ سقراط اپنے علم الاخلاق کے سبب اور افلاطون
 اپنے فلسفہ کے سبب ہمیشہ یاد رکھے جاوینگے گو علم الاخلاق اور فلسفہ کس قدر ہی ترقی کیا
 نہ کر جائیں اور نئی تحقیق ان کی تحقیقاتوں میں ہزاروں غلطیاں کیوں نہ ثابت کروے کسی
 انسان پرستی کو سبب نہیں بلکہ اس سبب کے کہ ان کا دماغ دوسروں کیلئے تحریک کا موجب
 بنا اور انہوں نے ایک ایسی بنیاد رکھی جس پر اور عمارتیں تیار ہوئیں۔ ایک تاریخی کتاب کا مصنف
 جو سالہا سال کی عرق ریزی کے بعد ان واقعات کو جو پرانے طور پر ہزاروں دماغوں میں
 مخفی تھے بچا اور ترتیب وار جمع کر کے ہر انسان کی پہنچ میں لے آتا ہے محض اسوجہ سے کہ اسکی
 تحقیق میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں اس شخص کی نسبت حقیر نہیں قرار دیا جاسکتا جس نے واقعات
 نہیں جمع کئے بلکہ مصنف کی کتاب کے کسی ایک واقع میں غلطی نکال دی ہے کیونکہ مصنف نے
 اگر بشریت کے ماتحت کوئی غلطی کر دی ہے تو اسنے ہزاروں جدید باتیں بھی تو ہمیں بتائی ہیں
 جو ہمیں پہلے معلوم نہ تھیں پھر کیا اسکی اس محنت کو ہم نظر انداز کر دیں گے اور اسکی غلطی کو جو محض
 بشریت کے واقع ہو گئی ہے اور جس قسم کی غلطیاں اگر ہم اس کام کو کرتے ہو اسنے کیا ہے اور اس
 زمانہ میں کرتے جس میں اسنے وہ کام کیا ہے خود ہم سے نہ صرف یہ کہ واقع ہوئیں بلکہ شاید اس
 کئی گنے زیادہ واقع ہو جائیں اس قدر بڑا بڑا بیان کریں گے کہ اسکی ساری محنت پر پانی پھیر
 دینگے یقیناً اگر ہم شرافت طبع کا کوئی حصہ اپنے اندر رکھتے ہیں تو ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔
 اسی وقت کسی کے کام پر اسکو ملامت کیجاتی ہے جبکہ اسکا کام بجائے مفید معلومات کا
 موجب ہونیکے بجائے ترقی کی طرف لوگوں کا قدم اٹھانیکے لوگوں کے تباہ ہو جانیکا موجب ہوا ہو
 اور یہ وقت ہم کسی کی غلطی پر لعنت و ملامت کر نیچے منتظر ہوتے ہیں جبکہ اسنے جان بوجھ کر
 لوگوں کو بھوکا دینے کی کوشش کی ہو یا ایک ایسی غلطی میں لوگوں کو ڈالا ہو جو اس زمانہ کی
 حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے سہولی کوشش اور سعی سے دور ہو سکتی تھی یا جبکہ وہ کسی ایسے
 امر کو جس میں غلطی کا احتمال ہو سکتا تھا اپنے زیر اثر لوگوں کے سامنے نہ کھسکا کر پیش

کرتا ہے کہ اس میں غلطی کا احتمال ہی بالکل ناممکن ہے اور یہ ایسا ہی غلطی سے پاک ہے جیسے کہ الہام الہی سے بتائی ہوئی تعلیم۔ ایسے شخص پر اس لئے ملامت کی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کو علم سے محروم کرتا ہے۔ لیکن محی ثنیں نے ایسی کوئی بات کی ہے جس پر ان کو اس قدر گالیاں دی جائیں کیا ان لوگوں کی محنت سے ہزاروں قسم کی بدعات کا قلع قمع نہیں ہوا کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی و عطلوں کا ایک فی خیرہ انہوں نے جمع نہیں کر دیا کیا سنت کی حفاظت کا کام انہوں نے نہیں کیا۔ کیا علوم قرآنیہ کی ترویج اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم قرآن کی اشاعت میں انہوں نے مدد نہیں دی؟ کیا ایک اعلیٰ درجہ کی اسلامی تاریخ جس میں عام تاریخی تحقیقات سے بہت زیادہ محنت کی گئی ہے حالات جمع کئے گئے ہیں اور جس میں تاریخ سے بڑھ کر یہ جدت ہے کہ بجائے اپنی الفاظ کے خود راوی کے الفاظ یا مستفہم کے الفاظ کو بیان کر نیکی حیرت انگیز حد تک کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ انہوں نے تیار نہیں کر دی؟ پھر اس بے نظیر کوشش کے صلہ میں کیا ان کو وہی انعام ملنا چاہئے جو مصنف کتاب نے ان کو دینا چاہا ہے۔ اور جس عطیہ پر صداقت اور احسان شناسی، باور بلند عطا تو بقاء سے تو کے مقولہ سے اسے مخاطب کر دیا ہے۔

وہ کونسا علم تھا جسے علم حدیث کے مروج سے نقصان پہنچا یا وہ کونسی تحقیق تھی جو اس علم کی ایجاد کے بعد رک گئی اگر اس علم سے کوئی نقصان لوگوں کو پہنچا ہے تو اور کونسا علم ہے جس کا غلط استعمال لوگ نہیں کر لیتے۔ اگر علم حدیث کو بعض لوگوں نے تدبر فی القرآن میں روک بنالیا ہے تو بعض دوسروں نے تدبر فی القرآن کو فہم رسول پر اپنے فہموں کو مقدم کرنے کا مترادف بنا دیا ہے پس لوگوں کے غلط استعمال سے ان ہزاروں فوائد پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا جو اس علم کے ذریعے حاصل کئے جاسکتے ہیں اور جو فوائد کہ اہل علم لوگوں نے ہمیشہ حاصل کئے ہیں اور جن کو وہ حاصل کر رہے ہیں۔

باوجود موضوعات کے ایک انبار کے صحیح روایات کا ایک ایسا مجموعہ موجود ہو گیا ہے جس میں ہزاروں درریک ہمارے ہیں بے شک انہیں کانٹے بھی ہیں لیکن کانٹوں کی موجودگی سے گلاب کی پھول کی قدر میں کمی نہیں آجاتی کوئی کہتا ہے کہ تم کانٹے اپنے جسم میں چھو لو

باغ بان نے گلاب کا درخت لگایا ہے اس میں کانٹے ضرور لگینگے تم اس میں سے پھول چنو اور ان کو استعمال کرو۔ روایتیں جمع کر نیوالوں نے روایات جمع کر دی ہیں انکی تحقیقات میں نین وجوہ سے صداقت سے دور روایات شامل ہو سکتی ہیں۔ یا تو اس وجہ سے کہ انکی تحقیقات ناقص رہ گئی اور ایک جھوٹا سچا بنکر ان کو کوئی بات بتا گیا۔ ۲۔ یا اس طرح کہ انہوں نے بھی یا نہ رہا سے کام لیا اور دوسرے نے بھی لیکن بیشتر بیک اثر سے غلط فہمی کے ماتحت کوئی بات اس طرح بیان کی گئی جس طرح پہلے راوی نے بیان نہ کی تھی یا جس طرح اصل واقعہ نہ ہوا تھا۔ ۳۔ یا یہ کہ انہوں نے اس خیال سے ان روایتوں کو نقل کر دیا جو ان کے نزدیک بھی کمزور تھیں تاہم انوں قسم کے خیالات کو پہونچا دیں تاکہ لوگوں میں تحقیق اور تدقیق کا ملکہ پیدا ہو اور تاکہ وہ لوگوں کے دلوں پر اپنی خیالات کے جبر یہ عکس ڈالنے کے مرتکب نہ ہوں۔ اول الذکر سے پوری طرح بچ جانا تو انسانی طاقت سے بالکل بالا ہے اور آخر الذکر سے اگر بعض نقصانات بھی پہونچ جاتے ہیں تو اگر بعض عظیم الشان فوائد سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا قرآن کریم میں جن منافقوں کی خبر سچائی ہے انکی بشارتوں کا نقشہ ہمارے دلوں پر کب جم سکتا تھا اگر انکی مشہور کردہ روایات کا ایک سلسلہ ہم تک نہ پہونچ جاتا۔ انکی روایتوں کا بقیہ بھی ہمیں الفاظ قرآنیہ کی حقیقت اور اس رحم اور صبر کا پتہ دیتا ہے جس سے خدا اور رسول نے منافقوں کے متعلق کام لیا۔

غرض بعض روایات کی غلطی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کام ہی عبث تھا اور نہ ٹھنڈی کی خدمت اسلام میں کوئی شبہ لاحق ہوتا ہے اور نہ انکی شان میں کوئی کمی آتی ہے۔ انہوں نے فوق العادہ محنت و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے نقشہ کو ہمارے لئے محفوظ کر دیا ہے اور اگر ہم میں سے کوئی انکی بشری غلطیوں سے متنبہ ہو کر کھاتا ہے تو یہ اسکی بد قسمتی ہے اگر وہ اس قسم کی غلطیوں سے ڈر کر اس کام کو چھوڑ دیتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے حضور میں مجرم ہوتے اور ان سے پوچھا جاتا کہ کیوں انہوں نے ایک مفید علم کو زندہ گاڑ دیا۔

مستند صحابہ و اہل بیت کا یہ قول کہ چونکہ بعض ایسی احادیث مروی ہیں کہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے خلاف ہیں اسلئے ان کو جلا دینا چاہئے اور پھاڑ دینا چاہئے اور مٹا دینا چاہئے ان کی نہایت کم علمی اور جہالت پر دلالت کرتا ہے کیا دنیا کا یہ بھی تا عہد ہے

کہ جس کتاب میں کوئی غلطی ہو جائے اسے جلا دیا جائے یا اس حصہ کو پتھ میں سے نکال دیا جائے اگر اس طریق پر عمل کیا جائے تو دنیا سے علوم کا خاتمہ ہو جائے۔ اور یہ تو سخت بددیانتی ہے کہ مصنف کچھ لکھے اور کچھ اسکومٹا ڈالیں۔ اگر یہ صورت اختیار کی جائے تو کسی تصنیف پر اعتبار ہی کیا رہ سکتا ہے مثلاً پچھلی طب کی کتب جو پہلی سینا کی تصنیف ہیں ان کو موجودہ تحقیقات کے مطابق بدل دیا جائے۔ فلسفہ میں جو جدت پیدا ہوئی ہے اسکے ماتحت کچھلی فلسفہ کی کتب تبدیل کر دی جائے۔ گویا اپنے جاہلانہ خیالات میں تبدیلی پیدا کر نیکی سوا اور ہر ایک چیز میں تبدیلی پیدا کر دیجائے مصنف ہفوات اس قدر نہ سوچا کہ اگر کچھ مصنفین کی کتب میں اس قسم کی تبدیلی جائز ہو تو روایت کا اعتبار کیا رہ جائے اور دراثت کی بنیاد کس امر پر ہو۔ ہزاروں باتیں ہیں جو ایک زمانہ کے خیالات کی روشنی میں قبیح نظر آتی ہیں اور ایک دوسرے زمانہ کے خیالات کی روشنی میں خوبصورت اگر ہر زمانہ کے لوگ اپنی خیالات کے مطابق کچھلی کتب کو بدل لیا کریں تو باقی کیا رہ جائے؟ آپ کی اس تجویز پر عمل کر کے بالکل وہی حال ہو جو اس شخص کا ہوا تھا جس کی دو بیویوں میں سے ایک بوڑھی اور ایک جوان تھی۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کی دو بیویاں تھیں ایک بڑھیا تھی اور ایک جوان جب وہ عمر رسیدہ کے گھر ہوتا تو جس وقت وہ سو جاتا وہ اس خیال سے کہ یہ اپنے سببہ بال دیکھ کر خیال کرے گا کہ یہ عورت تو بڑھیا ہو گئی ہے اور میرے بال ابھی سببہ ہیں اس لئے میری حوالہ کے قابل زیادہ جوان ہی ہے اسکے سببہ بال ایک ایک دو دو کر کے چنتی رہتی۔ اسی طرح جب وہ جوان عورت کے گھر ہوتا تو وہ بھی اس خیال سے کہ یہ اگر اپنے سفید بال دیکھ کر خیال کرے گا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا اب اس جوان عورت کی نسبت میری صحبت کے قابل بڑھیا عورت ہی ہے اس لئے سفید بال نوچتی رہتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسکے سر اور داڑھی میں نہ سفید بال رہے اور نہ کالے۔ یہی تجویز آپ بھی کتب غلیبہ کے متعلق بتاتے ہیں کہ جس قوم کو کوئی خیال اپنے عقیدہ کے خلاف کسی کتاب میں نظر آوے جھٹ اس کا احکا ک و ناع سے کر دے مثلاً احادیث کی تائید کے متعلق اختلاف ہے بعض لوگوں کے نزدیک بعض راوی کمزور ہیں بعض کے نزدیک دوسرے مصنف ہفوات کے بتائے ہوئے اصل کے مطابق

ہر ایک فریق اپنے فہم کے خلاف جس قدر باتیں پائے ان کو کتب حدیث میں سے نکال دے
حنفی جس قدر احادیث میں رفع یدین یا لا تھ سب نے پر ہاندھنے یا آئین یا بھریا اور دیگر اختلافی
مسائل کے متعلق اپنی رائے کے خلاف ذکر و کچھیں انکو کتب حدیث سے نکال دیں۔ اور اہل حدیث
ان سب حدیثوں کا اخراج کر دیں جو حنفیوں کے مسائل کی تائید میں ہیں۔ اگر ایسا ہو لگ جائے
تو آپ جانتے ہیں کہ اسکا نتیجہ کیا نکلے؟ علم بالکل مفقود ہو جائے اور تحقیق کا دروازہ بند ہو جائے
اور تاریخ ایسی مسخ ہو جائے کہ سو سال پہلی بات کا معلوم کرنا بھی بالکل ناممکن
ہو جائے اور بددیانتی اور خیانت کا دروازہ اتنا وسیع ہو جائے کہ اس کا بند کرنا حد
امکان سے نکلی جائے۔

ہر شخص کا اختیار ہے کہ جس بات کو ناپسند کرے رد کر دے لیکن کسی کو یہ اختیار نہیں کہ مصنف
کے بیان میں کسی بیشی کر دے۔ اگر کسی کو بخاری کی اکثر احادیث غلط نظر آتی ہیں تو وہ ان کو رد
کر سکتا ہے مگر امام بخاری کی تصنیف میں سے اپنے مطلب کے خلاف باتیں نکال کر ایک نئی
صورت میں اسکو بدل دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ یہ ایک ایسی خیانت ہے۔ ایک ایسا فریب ہے
جسکو صرف کوئی مسیہ یا ظن اور جاہل انسان ہی جائز قرار دے سکتا ہے۔

ایک اور خطرناک نتیجہ بھی اس جاہلانہ تجویز پر عمل کرنے سے پیدا ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ
ایسے زمانوں میں جبکہ کسی قوم پر فترۃ کا زمانہ آیا ہو اور جہالت اسکے میدانوں میں ڈیرے
ڈالے ہوئے ہو تمام صداقتیں باطل ہو سکتی ہیں۔ اگر مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لوگ
پچھلی چند صدیوں میں جبکہ شرک کا دور دورہ تھا تمام ایسی احادیث کتب حدیث سے نکال کر بھینک دیتے
جن میں شرک کا رد ہے بلکہ بعض لوگوں کے اس خیال پر عمل کر کے کہ قرآن کریم میں بھی کچھ
زیادتی ہو گئی ہے جس قدر آیات شرک اور رسوم اور بدعات کے خلاف دیکھتے ان کو نکال دیتے
تو نتیجہ کیا ہوتا؟ اسلام کا کیا باقی رہ جاتا وہ لوگ دیانتداری سے اپنے عقیدہ کے مطابق
کام کرتے لیکن اسکا نتیجہ حق اور راستی کے خلاف کیسا خطرناک ہوتا۔ اس زمانہ میں تعلیم یافتہ
لوگ کثرت ازدواج۔ طلاق اور پردہ کو اپنی عقل کے مطابق تہذیب و شائستگی کے خلاف
سمجھتے ہیں۔ کیا ان کا اختیار ہونا چاہیے کہ وہ قرآن و حدیث سے ایسے تمام مضامین کو

یہ کہہ نکال ڈالیں کہ ایسی باتیں خدا اور رسول کب کہہ سکتے تھے نتیجہ یہ ہوتا کہ چند دلوں کے بعد جسکے آثار بھی سے شروع ہو گئے ہیں جب دنیا کو معلوم ہوتا کہ یہی طریق مناسب تھا تو وہ احکام شدہ اور احراق شدہ آیتوں اور حدیثوں کو قرآن کریم نہ پا کر اسکو ایک نامکمل اور بے معنی کتاب سمجھتے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ تمام عالم اسلام اس مرض میں مبتلا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ اگر وہ لوگ تمام آیات قرآنیہ اور احادیث کو جو انکی وفات پر دلالت کرتی ہیں نکال دیتے کہ ایسا خلاف واقعہ امر قرآن اور حدیث میں کہاں سے آسکتا تھا ضرور کسی مفسد نے پیچھے کی ملا دیا ہے تو کیا دنیا ایک صد اقترا اور اسلام ایک خوبی سے محروم ہو جاتا ہمارے زمانہ کے حالات بدلتے رہتے ہیں اور لوگوں کے نقطہ نگہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک وقت میں ایک بات جو بالکل خلاف تہذیب سمجھی جاتی ہے دوسرے وقت میں عقل و علم کی ترقی کے ساتھ وہی معقول اور مفید ثابت ہو جاتی ہے یا کبھی اسکے خلاف ایک وقت میں ایک بات اچھی سمجھی جا کر دوسرے وقت میں بری خیال کی جانے لگتی ہے۔ اگر مصنف ہفتوا کے مجوزہ طریق احکام و احراق پر عمل کیا جائے تو ہزاروں صدائیں جہالت اور فترہ کے زمانہ میں مٹا دی جائیں۔ اور سچے مذہب کے پیروں کو تحقیق و تدقیق کے زمانہ میں دوسرے مذہب کے پیروں کے سامنے منہ دکھانے کی گنجائش نہ رہے۔ اسوقت جو پچھلے لوگوں کی تحقیق کی بعض غلطیاں معلوم ہوتی ہیں تو کیا اسی سبب سے نہیں کراہوں نے دیانتداری سے اپنی فہم کے خلاف خیالات کو باقی رہنے دیا بلکہ خود محفوظ کر دیا تاکہ تحقیق کا دروازہ بند نہ ہو جائے۔ اگر وہ لوگ بھی اس احکام اور احراق کے طریق کو اختیار کرتے تو آج ہمارے لئے صدائیں معلوم کرنے کا کوئی راستہ کھلا رہ جاتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ مصنف ہفتوات کا احراق و احکام کا مشورہ خیر خواہی و نیک طلبی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ محض ان لوگوں کے کام پر پردہ ڈالنے کیلئے ہے جنہوں نے خدمت اسلام میں رات اور دن کو ایک کر دیا۔ اگر مصنف ہفتوات یہ مشورہ نہ دیتے بلکہ سیدھی طرح یہ بات کہہ دیتے کہ باوجود ان لوگوں کی کوششوں کے بعض کوتاہیاں بھی ہو گئی ہیں تو ان کو خوف تھا کہ اس طرح لوگوں کے دل سے محبتیں کی عظمت نہ مٹسکی اور وہ کہہ بیٹے کہ ہاں انسان سے غلطی ہو جاتی ہے

اور یہ بات پہلے بھی مسلمان مانتے ہی تھے کہ حدیثیں غلطی سے پاک نہیں ہیں بعض دفعہ انہوں نے ایک حدیث کو صحیح سمجھا ہے اور وہ بعد میں صحیح ثابت نہیں ہوئی اور بعض دفعہ انہوں نے ایک حدیث کو کمزور سمجھا ہے اور وہ بعد میں کمزور ثابت نہیں ہوئی پس انہوں نے ایسے الفاظ استعمال کئے جن سے دوسروں پر تو کچھ اثر ہو یا نہ ہو مگر ان کا بغض نکل گیا اور اپنی اس عادت مثبتہ کو جو گرد و پیش کے اثرات سے متاثر ہو کر طبیعت ثانی ہو چکی ہے انہوں نے پورا کر لیا مگر کیا چاند پر تھوکنے سے۔ چاند کا کچھ بگڑتا ہے؟ تھوکنے والے کے منہ پر تھوک آپڑتا ہے اور اس کی فضیلت سے میرے نزدیک مصنف ہفوات کا یہ طریق سب سے دسم زمانہ کے حالات کو مد نظر رکھ کر بھی نہایت خطرناک ہے اس وقت مختلف قسم کے مصائب اور آلام نے مسلمانوں پر یہ روشن کر دیا ہے کہ خواہ ان میں مذہبی طور پر کس قدر ہی اختلاف کیوں نہ ہو ان کو اپنی ہستی کے قیام کیلئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے پر بجا حمد کر کے مواسست اور مواسات کے تعلقات کو قطع نہ کریں۔ اختلاف مذہب کو قربان نہیں کیا جاسکتا لیکن اس اختلاف کے اظہار کا طریق یہ نہیں کہ ایک دوسرے کی بزرگوں کو گالیاں دیجائیں۔ اگر ہم ایسے مذاہب کے بزرگوں کا بھی ادب کر سکتے ہیں جنکے ساتھ ہمیں نہایت کم وجہ اشتراک پائی جاتی ہے تو ایک کتاب کو ماننے والے اور ایک رسول کی امت کیلئے لے والے لوگوں کو جو دوسری کسی قوم میں بزرگ مانے جاتے ہوں کیوں ادب سے یاد نہیں کر سکتے۔ اس وقت تک اسلام کو کافی نقصان اس قسم کے اختلافات سے پہنچ چکا ہے اور اگر باوجود خدا تعالیٰ کے قہری نشانوں کے اب بھی دشمنی اور عداوت کے بحال استعمال کو نہ ترک کیا گیا تو اس رویہ کے اختیار کرنے والے افراد اور ان کے افعال پر خوش ہونیوالی جماعتیں ایک ایسا روز بد دیکھیں گی کہ دشمنوں کو بھی ان پر رونا آئیگا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ شیعہ سنی اور دیگر ناموں سے یاد کئے جانے والے فرقے اپنے مذاہب کی تبلیغ نہ کریں۔ میرا طریق عمل میرے قول سے زیادہ اس خیال کو رو کر رہا ہے کیونکہ تبلیغی نظام سے اس جماعت نے کہ جس کا امیر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے بنایا ہوا ہے تمام دنیا میں اپنی تبلیغی کوششوں کے ذریعہ سے جہت انگیز حرکت پیدا کر رکھی ہے۔ بلکہ میرا یہ مطلب ہے کہ اپنے اپنے محاسن اور خوبیاں بیان نہ جائیں اور دوسروں پر بلا وجہ اور بلا ان کی

طرف سے حملہ ہو نیکی کے حملہ نہ کیا جائے۔ اور اس حدیث کو یاد رکھا جائے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الکبائر شتم الرجل والدیه قالوا یا رسول اللہ وهل یشتتم الرجل والدیه قال نعم لیست ابی الرجل فیست اباه ولیست امه فیست امه۔ ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عن عبد اللہ بن عمر بنخاری و مسلم) علیہ وسلم نے فرمایا بڑے گناہوں میں سے ایک اپنے ماں باپ کو گالیاں دینا بھی ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالیاں دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں کسیکے باپ کو گالیاں دیتا ہے پھر وہ اس کے باپ کو گالیاں دیتا ہے۔ یا کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے پھر وہ اسکی ماں کو گالی دیتا ہے۔ یعنی دوسرے کے ماں باپ کو گالیاں دیکر اپنے ماں باپ کو گالیاں دلو انا ایسا ہی ہے جیسا اپنے ماں باپ کو خود گالیاں دے لیتا۔

جن لوگوں کو کوئی قوم اپنے روحانی ہادیوں میں سمجھتی ہے انکی عزت اپنی ماں باپ سے زیادہ کرتی ہے انکی نسبت بڑا وجہ گند سے الفاظ استحلال کرنیکا لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اس کے بزرگوں کو گالیاں دیں اور اس صورت میں اکسانے والا ہی اپنے بزرگوں کو گالیاں دینے والا سمجھا جائیگا۔ خصوصاً جب صورت ایسی ہو کہ ایک قوم کے بزرگ دوسری قوم کے نزدیک بھی بزرگ ہوں تب تو اس دوسری قوم کے بزرگوں کو گالیاں دینا نہ صرف برا ہے بلکہ حد درجہ کی کینگی کا مظہر ہے کیونکہ ایسا شخص اس امر سے کہ دوسری قوم کے لوگ اسکی بزرگوں کو بھی اپنا بزرگ خیال کرتے ہیں اور اسکی سختی کا سختی سے جواب نہیں دے سکتے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور بار بار دیکھا گیا ہے کہ ان لوگوں کو جو اسکے بزرگوں کو اپنا بزرگ خیال کرتے تھے وہ اپنی ناشائستہ حرکت سے ایسا مجبور کر دیتا ہے کہ ان میں سے بعض بطور بدلے کے ان بزرگوں کو برا بھلا کہنے لگجاتے ہیں اور یہ شخص ایک دوست کو دشمن بنانے کا عذاب مزید براں اپنے اوپر نازل کر لیتا ہے۔

غرض سب و شتم ایک قبیح فعل ہے اور دوسروں کے بزرگوں کو گالیاں دینے والا سخت مجرم ہے اور اگر اس کی زیادتی کے سبب دوسری قوم کے لوگ بھی اپنی زبان کھولیں تو اس کا التزام ان پر نہیں بلکہ اس گالیاں دینے والے کے ذمہ ہی اور میں یقین کرتا ہوں کہ اہل شیعہ کے

مشرفاء اور رؤساء مصنف ہفوات کی بدکلامیوں اور بلا وجہ کی چھیڑ چھاڑ کو اسی طرح برا سمجھیں
جس طرح کہ دوسرے فریق کو اسکا فعل بڑا معام ہو اسے اور ہونا چاہئے۔

مصنف ہفوات کو جو بعض ائمہ اسلام سے ہے وہ مندرجہ ذیل عبارت کے بخوبی ظاہر ہے
وہ لکھتے ہیں ”یہ امر محکم تھا کہ ہم کتب عقائد و اصول حدیث و رجال سے بھی ایسی احادیث
کو مجروح و مقدوح کر دیتے لیکن جب یہ مسلمات عقلی ہے کہ راوی کی ثقاہت تن حدیث کی صحت
کو مستلزم نہیں اور نہ خلاف قرآن حدیث حجت ہو اور نہ وہ ہفوات درایت کی معیار پر کھری
ہیں اسلئے اس بیکار طول کو ترک کر دیا“ یعنی گو خود ان اصول کے مطابق جو اہل اسلام نے
مقرر کئے ہیں اور خود ان قواعد کے مطابق جو ائمہ حدیث نے تجویز کئے ہیں ایسی احادیث کی کمزوری
ثابت ہو سکتی تھی مگر یہ ایک بیکار طول تھا اسلئے مصنف ہفوات نے اسکو ترک کر دیا۔ مگر ہر ایک
عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک بیکار طول نہ تھا بلکہ اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ خود ائمہ حدیث نے ایسے
قواعد تجویز کئے ہیں جن سے صحیح اور کمزور حدیثوں میں فرق کیا جائے تو لوگ سمجھ جاتے کہ حدیثوں
کو کلام الہی کی طرح مسلمان غلطی سے پاک نہیں مانتے۔ اور اگر خود انہی ائمہ کے بتا ہو تو قواعد
کے مطابق بعض احادیث ضعیفہ ثابت ہو جائیں تو ان کے ذریعہ سے ائمہ حدیث کو گالیاں
دینے کا موقع نہیں مل سکتا تھا پس بیکار طول سے بچنے کیلئے نہیں بلکہ اپنی سب شتم کی دعا
کو پورا کرنے کیلئے مصنف ہفوات نے اس طریق کو اختیار کیا ہے اور یہ بات ان کے دلی
پر ایک شاہد ناظر ہے۔

اس تہیدی نوٹ کے بعد میں ایک ایک کر کے مصنف صاحب ہفوات کے اعتراضات کے
متعلق اپنی تحقیق بیان کرتا ہوں لیکن ایک دفعہ پھر کھول کر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ کتب احادیث کے
مؤلفوں کو نہ خود دعویٰ ہے کہ وہ غلطی سے پاک ہیں اور نہ کبھی مسلمانوں کو یہ دعویٰ ہوا ہے کہ ان
کسی قسم کی غلطی نہیں ہوئی بلکہ ان کی نسبت یہی خیال علماء میں رائج چلا آیا ہے کہ وہ بعض
خدام اسلام کی دیانت دارانہ اور ان تھک کوششوں کا خوبصورت اور دل آویز نتیجہ ہیں
جس میں گو بعض کمیاں رنگینی ہوں لیکن ان کے ذریعہ سے جو فائدہ دنیا کو پہنچا ہے یا پہنچتا
ہے یا پہنچ سکتا ہے اس کی قیمت کا اندازہ لگانا ہمارے لئے مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں کی

نیک خدایات کا بدلہ ان کو دیکھا

پہلا اعتراض

حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حبب الی من الدنیا النساء والطیب نقل کر کے اپنے اعتراض کیا ہے۔ مسلمانوں کو کسی کنہیا پرست نے یہ عبارت دی اور انہوں نے اس زٹل کو حدیث سمجھ لیا۔ دیکھئے رسول کی شان یہ ہے کہ معرفت الہی اور ہدایت خلق اور اجر احکام خدایں زیادہ خوش ہو نہ کہ عورتوں اور اسکے لوازم خوشبو سے۔ ہفتوات صفحہ ۴۷۔

حیرت پر حیرت اور تعجب پر تعجب ہوتا ہے کہ کیسی اعلیٰ اور اکمل تعلیم روحانی دینے والی حد اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی شان کو ظاہر کر نیوالی روایت کو مصنف ہفتوات احکام اور احراق کیلئے چنا ہے اور اسپر ایک بہت گندہ اعتراض کیا ہے۔ اگر اس قسم کے فہم اور اس قسم کی سمجھ پر کتب روایات کا احکام اور احراق شروع ہوا تو یقیناً صحیح احادیث کا ملنا مشکل ہو جائے گا۔

اس اعتراض کا جواب تین سوالوں کا جواب دینے سے ہو سکتا ہے۔ اول تو یہ کہ کیا جو معنی اس حدیث کے مصنف ہفتوات نے سمجھے ہیں وہ درست اور صحیح ہیں؟ دوم یہ کہ کیا عورتوں سے محبت کرنا اور حلال اشیاء سے محبت کرنا ایمان یا روحانیت کے منافی ہے؟ سوم یہ کہ اس حدیث کے اصل معنی کیا ہیں؟

اس سوال کا جواب کہ کیا اس حدیث کے وہی معنی ہیں جو مصنف ہفتوات نے سمجھے ہیں نفی میں ہے۔ ہر شخص کی نظر اسکے اپنے تقویٰ اور معرفت کی حد تک ہی جاتی ہے اور مصنف ہفتوات اس قسم کی بات لکھنے پر مجبور ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اس حدیث کے ہرگز وہ معنی نہیں جو مصنف ہفتوات نے سمجھے ہیں۔ مصنف ہفتوات کا یہ خیال ہے کہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی صحبت ہی میں وقت گزار دیتے تھے اور معرفت الہی اور ہدایت خلق اور اجر احکام میں آپکو خوشی حاصل نہ ہوتی تھی۔ اس سے زیادہ بعید معنی اس حدیث کے اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ نہ تو الفاظ حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ عورتوں کی صحبت میں وقت گزارتے تھے اور نہ اس میں یہ کہیں ذکر ہے کہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم دین و دنیا کی چیزوں میں سب سے زیادہ عورتوں سے اور خوشبو سے محبت کرتے تھے۔ پس اس حدیث سے یہ مطلب نکالنا کہ آپ کو خدا تعالیٰ اور اس کے دین کی باتوں میں خوشی حاصل نہ ہوتی تھی یا عورتوں کی نسبت سے کم خوش ہوتے تھے کسی صورت میں جائز نہیں۔ اور محض ہفوات میں داخل ہے۔ یہ معنی ایسے ہی ہیں جیسے کوئی شخص کسی دوست سے کہے کہ مجھے تم سے بہت محبت ہے۔ اور آگے سے کوئی عقل کا کورا یہ سمجھ لے کہ یہ شخص اپنے والدین کا نافرمان ہے ان سے اسکو محبت نہیں ہے یا اس شخص کی نسبت ان سے کم محبت ہے۔ جبکہ ایک لفظ بھی حدیث میں ایسا نہیں ہے جس کے معنی ہوں کہ عورتوں اور خوشبو کی محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی سب چیزوں سے زیادہ تھی۔ تو مصنف ہفوات کے کئے ہوئے معنی الفاظ حدیث سے کیونکر پیدا ہوئے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں کل کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد بعض ہوتا ہے۔ جیسے ملکہ سبا کی نسبت آیا۔ و اوتیت من کل شیء۔ اسکو ہر ایک چیز دی گئی تھی۔ حالانکہ ایک چھوٹا سا ملک اسکو ملا تھا۔ نہ دنیا کی سب قسم کی نعمتیں اسکو حاصل تھیں اور نہ دین ہی اسکو حاصل تھا۔ پس جبکہ کل کا لفظ استعمال کر کے بھی بعض کے معنی ہوتے ہیں تو جہاں بالکل ہی کوئی لفظ حصر کے لئے استعمال نہیں ہو رہا ہے یہ معنی کرنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب ماسوا پر عورتیں اور خوشبو محبوب تھی۔ کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

دوسرا پہلو مصنف ہفوات کے اعتراض پر غور کر لیا کہ یہ ہے کہ کیا عورتوں سے محبت رکھنا اور خوشبو کو پسند کرنا گنہگار ہے یا روحانی ترقی کے حصول کے منافی ہے۔ اور اہل اللہ کے طریق سے نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شے کی محبت تین طرح کی ہوتی ہے یا تو ایسی محبت کہ دوسری اشیاء کو بالکل بھلا دے۔ یا ایسی محبت جو دوسری اشیاء کی محبت کے ساتھ دل میں رہے۔ اور کسی اور محبت کی طفیل سے پیدا ہو۔ یا ایسی محبت جو محبت کو مغلوب تو نہ کر دے لیکن مستقل محبت ہو جسے دوسرے الفاظ میں طبعی محبت کہنا چاہئے۔ جو محبت کہ دوسرے تعلقات بھلا دیتی ہے اور ان کو نظر میں ادنیٰ اور خفیہ کر کے دکھاتی ہے وہ تو ماسوی اللہ سے ناجائز ہے اور گنہگار لیکن ایسی محبت جو تالیف ہو اللہ تعالیٰ کی محبت کے اور اسکی محبت کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہو

جو خدا اور رسول کی محبت اور خدمت دین کی خواہش پر غالب آجائے اور اس میں شستی پیدا کر دے۔ اور ایک جو جائز ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ اور رسول کی محبت سے ادنیٰ درجہ پر ہو اور خدمت دینی کے رستہ میں روک نہ ہو۔

تیسری قسم کی محبت جو اہل اللہ اور انبیاء اور رسول کی محبت ہو اس کا ذکر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں ہے:-

لیس البران تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب ولكن المومن امن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ والکتاب والنبيين واتى المال علی حببہ ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفي الرقاب سورہ بقرہ ۲۲۰۔ ترجمہ۔ نیکی تمہارے مشرق و مغرب کی طرف منہ پھیرنے کا نام نہیں ہے۔ لیکن سچی نیکی اس شخص کی نیکی ہے جو اللہ اور یوم آخر پر اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لاتا ہے اور اللہ کی محبت کی وجہ سے اپنے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر اور لوگوں کے چھڑانے پر خرچ کرتا ہے جو مالی یا جسمانی قید میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی محبت اپنے عزیزوں اور قریبیوں سے بھی اللہ کی محبت کے باعث ہوتی ہے اور اسکے سبب رشتہ دار طبعی محبت کے علاوہ للہی محبت کی رستی سے بندھے ہوئے ہیں۔

دوسری آیت جس میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے یہ ہے۔ اذ عرض علیہ الصافات الجیاد فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توادت بالحباب ۵ سر دوا علی فطفق مسحا بالسوق والا عناق۔ ص ۳۰۰ ترجمہ۔ جبکہ اسکے (حضرت سلیمان علیہ السلام کے) سامنے سے نہایت اعلیٰ تین سموں پر گھڑے ہونے والے تیز دوڑنے والے گھوڑے گزاریے گئے تو انہوں نے بار بار کہا کہ میں ان دنیاوی سامانوں سے اپنے رب کی یاد کے سبب سے محبت کرتا ہوں (ذاتی محبت نہیں ہے) یہاں تک کہ جب وہ گھوڑے نظر سے دور ہو گئے تو حکم دیا کہ ان کو میرے پاس واپس لاؤ اور ان کی پندلیوں اور گردلوں پر ہاتھ پھیرنے لگے (جیسا کہ پیار سے جانوروں پر لاکھ پھیرا جاتا ہے)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں سے محبت رکھتے تھے اور کسی وجہ ان کی طبعی یا جسمانی لذتیں نہ تھیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے ذکر کے قیام کیلئے وہ ایسا کرتے تھے۔ کیونکہ گھوڑوں کے ذریعہ ان کو جہاد فی سبیل اللہ میں مدد ملتی تھی پس ذکر محبوب کے قیام میں حمد ہونے کے سبب وہ آپکو پیار سے تھے۔

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک محبت ایسی بھی ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسری محبت کے طفیل میں ہوتی ہے اور ایسی محبت اصل محبت کے راستہ میں روک نہیں ہوتی بلکہ اسکی گہرائی اور عظمت پر دلالت کرتی ہے۔

اس قسم کی محبت کا ذکر قرآن کریم میں صحابہ کے متعلق آیا ہے۔ سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِينَ تَبَوُّوا الدِّينَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يَجْعَلُونَ مِنْ هَاجِرِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةٌ مِمَّا دُونِ الْيُثْرَةِ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَهْمَ نَفْسِهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ غ۔ ترجمہ۔ اور وہ لوگ جو ہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ دارالہجرت میں رہتے تھے اور جنہوں نے ایمان کو اختیار کیا ہوا تھا وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے ہیں اور اس مال کی رغبت نہیں کرتے جو ان کو دیا جاتا ہے اور ہاجرین کو اپنی جانوں پر مقدم کر لیتے ہیں گو خود ان کو بھوکھ کی تکلیف ہی کیوں نہ ہو اور جو لوگ بخل نفس سے بچائے جاتے ہیں وہ کامیاب ہوئے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ آپس میں ایک دوسرے سے اللہ کیلئے محبت کرتے تھے اور انکا یہ فعل اللہ تعالیٰ کو محبوب تھا اور وہ اسکی تعریف فرماتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم سے تین قسم کی محبتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک وہ محبت جو برہی ہوتی ہے۔ دوسری وہ جو طبعی ہوتی ہے۔ نہ اچھی نہ بُری تیسری وہ جو موجب ثواب ہوتی ہے اور اس کا کریمو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے کیونکہ وہ طفیلی محبت ہوتی ہے اور خدا کی محبت کا نتیجہ ہوتی ہے پس وہ غیر کی محبت نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہی محبت ہوتی ہے اور اسی کے حکم اور اسی کی رضا کے ماتحت ہوتی ہے۔ اس تیسری قسم کی محبت کا کسی اعلیٰ سے اعلیٰ انسان میں بھی پایا جانا اس کی شان کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کا نہ پایا جانا اس کی شان کے

خلاف ہے کیونکہ اس محبت کی کمی کے یہ معنی ہونگے کہ اس کی محبت اللہ تعالیٰ سے ایسی بڑھی ہوئی نہیں کہ وہ اس کی خاطر دوسروں سے بھی محبت کر سکے۔ یہ محبت جس قدر بھی کوئی اعلیٰ مرتبہ کا انسان ہو سب قدر اس میں زیادہ پائی جائے گی۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اگر یہ بیان کیا جائے کہ آپ اپنی عورتوں سے محبت کرتے تھے تو یہ ہرگز آپ کی شان کے گھٹا بنوالی بات نہیں ہے۔ آپ کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی منشاء کے بالکل مطابق تھا جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ **وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ** (روم ۳) ترجمہ۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے ہی قسم کے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان کی طرف مائل ہو کر تسلی پکڑو اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت کا سلسلہ بنایا ہے اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہے جو اپنے نفوس میں غور کر نیکی عادی ہیں، مصنف ہفوات اگر اپنے نفس میں غور کر نیکی عادی ہوتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ عورت و مرد کا تعلق صرف شہوات کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے بہت سی حکمتیں رکھی ہیں۔ مگر شخص اپنے آپ پر دوسروں کی حالت کا بھی قیاس کر لیتا ہے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ازواج مطہرہ کو ایک عظیم الشان نعمت قرار دیا ہے اور جنت میں مومن مرد کے پاس اس کی مومن بیوی کو رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے اور مسلمانوں کو دعا سکھائی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے قرۃ عین بننے کی دعا کرتے رہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے منشاء کے مطابق پاک بیویوں کو ایک نعمت سمجھنا اور ان کی قدر کرنا اور ان سے محبت کرنا ایک اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے اور نیکی کا وجود نیکیوں کی شان کو بڑھاتا ہے نہ کہ گھٹاتا ہے۔

تیسرا پہلو مصنف ہفوات کے سوال پر غور کر نیکیا یہ ہے کہ اس حدیث کے اصل معنوں پر غور کیا جائے کیونکہ بہت دفعہ انسان ایک بات کے معنی غلط کر کے اعتراض کر دیتا ہے لیکن صحیح معنی معلوم ہوں تو اعتراض دور ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک اسی حدیث کے صحیح معنی معلوم نہ ہونے کے سبب ہی مصنف ہفوات کو اعتراض پیدا ہوا ہے بلکہ مصنف ہفوات کے ایک خطرناک غلطی یہ ہوئی ہے

کہ انہوں نے یہ کوشش کی ہے کہ صحیح معنی معلوم نہ ہو سکیں اور حدیث کا ایک ٹکڑا اس غرض سے محذوف کر دیا ہے۔ گو اصل معنی اس حدیث کے جب میں بیان کرونگا تب معلوم ہونگے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ حدیث کو پورا نقل کر دینے سے ہر شخص سمجھ لیگا کہ مصنف ہفوات نے دیانتداری سے کام نہیں لیا کیونکہ انہوں نے حدیث کا وہ حصہ جو اس اعتراض کو جو انہوں نے کیا ہے بالکل دور کر دیتا ہے چھوڑ دیا ہے۔

حدیث کے اصل لفظ یہ ہیں **حَدَّثَنَا** **سَلَامُ** **ابوالمندثر** **عن** **ثابت** **عن** **النسائی** **قال** **قال** **رسول** **اللہ** **صلی** **اللہ** **علیہ** **وسلم** **مُحِبِّتٌ** **إِلَى** **مِن** **الدُّنْيَا** **الْخِصَاءُ** **وَالطَّيِّبُ** **وَجَعَلَ** **قَرَّةَ** **عَيْنِهِ** **فِي** **الصَّلَاةِ**۔ ایک دوسری روایت اس کے من دنیا کے ترجمہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پسند کرانی گئی ہیں تمہاری دنیا میں سے عورتیں اور خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو دنیا ہی میں رکھی گئی ہے۔ اس آخری فقرہ کی موجودگی میں یہ مصنف ہفوات کا اعتراض پڑ سکتا تھا کہ رسول کی یہ شان ہے کہ وہ معرفت الہی اور ہدایت خلق اور اجرائے احکام خدا میں زیادہ خوش ہوئے کہ عورتوں اور اسکے لوازم خوشبو سے معاذاً صفحہ ۴۔ پس انکا اس فقرہ کو چھوڑ دیتا بتاتا ہے کہ ان کی نیت اعتراض پیدا کرنا تھی نہ کہ احتقاق حق۔

پیشتر اسکے کہ میں اصل معنی اس حدیث کے بیان کروں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ حب کے معنی عشق کے نہیں ہوتے جیسا کہ مصنف ہفوات نے سمجھے ہیں۔ بلکہ یہ ایک وسیع معنوں کا لفظ ہے اور لغت میں اسکے یہ معنی لکھے ہیں۔ **الْحُبُّ** **نَقِیْضُ** **الْبَغْضِ** **وَالْحُبُّ** **الْوَدَادُ** **وَالْمُحِبَّةُ** **یَعْنِی** **حُبٌّ** **كَالْفِطْرِ** **لِغَضٍّ** **مَعْنٰی** **رُکْبَتَا** **ہے** **اور** **اسکے** **معنی** **وداد** **اور** **محبت** **کے** **ہوتے** **ہیں**۔ ان معنوں کو مانظر رکھ کر حب کے معنی کسی کو پسند کرنے اسکو چاہنے اسکی خیر خواہی کرنے کے ہوتے ہیں۔ یعنی عشق کے معنی نہیں بلکہ عام خیر خواہی اور پسندیدگی سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ کشش اور اتصال کے معنی اس لفظ کے ہیں۔ چنانچہ ان معنوں میں یہ لفظ قرآن کریم اور احادیث اور لغت عرب میں کثرت سے مستعمل ہے۔ قرآن کریم میں خیر خواہی کے معنوں میں سورہ قصص میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ **اللّٰہُ** **یَعْلَمُ** **مَا** **فَرَّطْنَا** **ہے** **اللّٰہُ** **لَا** **تَقْدِرُ** **مِن** **اَحْبَابَتِ**

والکن اللہ بھیک منیثاء وہو اعلم بالھتدین۔ قصص ۶۷۔ ترجمہ تو ہر شخص کو ہدایت نہیں دے سکتا جسکی ہدایت کا تو خواہاں ہے لیکن اللہ جسے پسند کرتا ہے ہدایت دیتا ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ کون لوگ ہدایت کے مستحق ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے بھی محبت رکھتے تھے پس اگر مصنف ہفتوات کے معنوں کے مطابق یوں سمجھا جائے کہ محبت کے معنی عشق کے اور ماسوا کو بھلا دینے کے ہوتے ہیں تو اس آیت کے نحو ذالک لہ معنی بنیائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی محبت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ آپ معرفت الہی اور اجرائے احکام خدا میں زیادہ خوش نہ ہوتے تھے مگر ایسا خیال کفر ہے آپکا وجود تو اس آیت کا مصداق تھا۔ قل ان صلوٰتی و عبادتی و مماتی لله رب العالمین۔ (انعام ۷۰) پس اس آیت میں محبت کے معنی خیر خواہی کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تو سب دنیا کا ہی خیر خواہ ہے اور چاہتا ہے کہ سب کو ہدایت مل جائے مگر تیری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ انہی لوگوں کیلئے ہدایت کا سامان جمع کرتا ہے جو خود ہدایت کے جویاں ہوتے ہیں اور ہدایت کا مقابلہ نہیں کرتے۔

کسی چیز کو نسبتی طور پر پسند کر نیکے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے گو وہ اپنی ذات میں اچھی نہ ہو۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کی نسبت آتا ہے قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ (سورہ یوسف ۷۵) ترجمہ۔ یوسف علیہ السلام نے کہا۔ اے میرے رب تیرا خانہ مجھ سے جسکی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں زیادہ پسند ہے۔ اس جگہ محبت کا لفظ ایک ایسی بات کی نسبت استعمال ہوا ہے جو اپنی ذات میں بری ہے لیکن نسبتی ترجیح کے سبب سے اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔

طبعی محبت اور عشق کے متعلق میں پہلے آیات لکھ آیا ہوں اسلئے اس جگہ اس کی تکرار کی ضرورت نہیں۔

احادیث میں بھی یہ لفظ کثرت سے ان معنوں میں استعمال ہوا ہے چنانچہ حب کے معنوں کی تشریح میں لسان العرب نے دو حدیثیں لکھی ہیں جن سے حب کے معنوں کی خوب تشریح ہو جاتی ہے۔ ایک حدیث تو یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد پہاڑ کی نسبت فرمایا

ہو جبل یُجَبِّنَا وَنُجَبِّنَہ - وہ ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کا لفظ نفع رسانی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے پہاڑ محبت نہیں کیا کرتے۔ پہاڑ کی محبت سے اس کا وہ نفع ہے جو وہ پہنچاتا ہے چونکہ احد کی جنگ میں ایک غلطی کے سبب مسلمانوں کو تکلیف اٹھانی پڑی اور لشکر اسلامی کا اجتماع اُحد پہاڑ پر ہی ہوا اور وہ دشمن کے حملوں سے بچانیکا ایک ذریعہ ہو گیا اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہمیں نفع پہنچاتا ہے اور ہم اس کے قیام کو پسند کرتے ہیں۔

اسی طرح لسان نے ایک دوسری حدیث اَنْشُر سے لکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنْظُرْ وَاَحْبِ اِلَا نَصَارِ الْقَمَرِ یعنی انصار کی محبت کھجور سے دیکھو۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ انصار کھجور کے عشق میں سرشار تھے۔ بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ انصار کھجور کے مفید ہونے کو دیکھ کر اسکی حفاظت کرتے تھے اور اسکے بونے اور جمع کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے اِذَا ابْتَلَيْتَ عَبْدًا بِحَبِيبِيَّةٍ ثَرَّ صَبْرٌ (بخاری کتاب الرضی) یعنی جب بندہ کی آنکھیں ضائع ہو جائیں اور وہ صبر کرے۔ آنکھوں کے لوگ عاشق نہیں ہوتے بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ ان کے فائدہ کو دیکھ کر انکی قدر کرتے ہیں اور انکی حفاظت کرتے ہیں اور انکو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔

غرض محبت کے معنی وسیع ہیں کسی چیز کو نفع رسان سمجھ کر اس کی قدر کرنی اور اسکو تباہ ہونے سے بچانے کی کوشش کرنے اور نفع پہنچانے کے علاوہ طبعی کشش اور اتصال اور پھر کلی طور پر کسی کے خیال میں محو ہو جانے تک اس لفظ کا دائرہ وسیع ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ محبت کے معنی صرف عشق کے نہیں ہیں جیسا کہ مصنف ہفوات نے اپنی نادانقیت سے سمجھا ہے تو اب اس حدیث کے معنی سمجھنے میں کوئی وقت نہیں رہی۔ اس حدیث میں النساء کا لفظ ہے اور النساء کے معنی عورتیں اور بیویاں دونوں ہو سکتے ہیں اور میرے نزدیک اہلک عورتوں کے معنی ہیں اور طلب یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے دنیا کی باتوں میں سے خصوصیت کے ساتھ عورتوں کی خیر خواہی اور خوشبو کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مگر باوجود اسکے مجھے اصل لذت عبادت الہی میں

دیجی ہے یعنی مخلوق کی اصلاح کی طرف بھی توجہ کرتا ہوں مگر جو لطف اللہ تعالیٰ کی طرف
بجھکنے میں آتا ہے اتنا لطف اس کام میں نہیں آتا کیونکہ یہ کام درحقیقت ضمنی ہے اصل کام
اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے ہاں خدا نے چونکہ اس کام کو بھی ضروری قرار دیا ہے اس لئے اس طرف بھی
توجہ کرنی پڑتی ہے۔

اس حدیث کو مد نظر رکھو اور اس حالت کو دیکھو جو اسلام سے پہلے عورتوں اور جہارت
کی تھی اور معلوم کرو کہ کیا یہ حدیث ایک اعلیٰ درجہ کی صداقت اور خوبی پر مشتمل ہے یا نہیں؟
کیا اس میں کچھ شک ہے کہ اسلام سے پہلے عورتوں کے حقوق کو پامال کیا جاتا تھا اور ان کے لئے
ابدی حیات کا انکار کیا جاتا تھا اور ان کو مالوں اور جائیدادوں کی طرح ایک منتقل ہونے والا
ورثہ خیال کیا جاتا تھا اور ان کی پیدائش کو صرف مرد کی خوشی کا موجب قرار دیا جاتا تھا حتیٰ
کہ مسیحی جو اپنے آپ کو حقوق نسواں کے حامی کہتے ہیں ان کے پاک نوشتوں میں بھی عورت کی
نسبت لکھا تھا "البنتہ مرد کو اپنا سر ڈھا کھنا نہ چاہئے کیونکہ وہ خدا کی صورت اور اس کا
جلال ہے مگر عورت مرد کا جلال ہے" اقرنتیون باب آیت ۷۔ اسی طرح لکھا تھا "اور میں
اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے" طمطاؤس باب آیت ۱۲۔ اسلام ہی ہے جس نے عورتوں کی
انسانیت کو نمایاں کر کے دکھایا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں
عورتوں کے بلحاظ انسانیت برابر کے حقوق قائم کئے اور ولھن مثل الذی علیھن بالمرء
(بقرہ ۷) کی تفسیر لوگوں کے خوب اچھی طرح ذہن نشین کی۔ آپ کے کلام میں عورتوں کے ساتھ
حسن سلوک اور ان کے حقوق اور انکی قابلیتوں کے متعلق جس قدر ارشادات ہیں انکا دسواں
حصہ بھی کسی مذہبی پیشوا کی تعلیم میں نہیں ملتا اور یہی مطلب ہے حبیب الی النساء کا یعنی
عورتوں کی قدردانی اور انکی خوبیوں کا احساس میر دل میں پیدا کیا گیا ہے۔

وہی سلوک جو عورتوں سے آنحضرت کی بعثت سے پہلے کیا گیا تھا کم و بیش طور پر خوشبو کے
بھی کیا گیا تھا۔ عیسائیوں میں اور ہندوؤں کے بعض فرقوں میں بزرگان دین کیلئے پاک رہنا
اور خوشبو کا استعمال بالکل حرام سمجھا جاتا تھا گندے اور بدبودار لباس کا استعمال اور
ناخن نہ کٹوانا میل نہ آتا رہتا بہت بزرگی خیال کی جاتی تھی اور خستہ اقامتیں بھی

نوشبو کے استعمال کو روحانیت کیلئے مضر سمجھا جاتا تھا حالانکہ جیسا کہ طب سے ثابت ہوا ہے خوشبو صحت کی بہتری اور خیالات کے بلند کرنے میں مدد ہوتی ہے اور بدلو اس شخص کیلئے بھی مضر ہوتی ہے جو گندہ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے مضر ہوتا ہے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من اكل من هذه الشجرة يعني الثوم فلا يأتين المساجد ان الملائكة تاخذى هباته الا انس۔ یعنی جو شخص اس بو دار پودے لہسن کا استعمال کرے اسے چاہئے کہ مسجدوں میں نہ آئے کیونکہ ملائکہ بھی ان چیزوں سے تکلیف محسوس کرتے ہیں جس سے انسان تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو لوگوں کے لئے مضر قرار دیا ہے اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے جمعہ کے دن بوجہ اجتماع کے خوشبو کے استعمال کا حکم دیا۔

غرض کہ رسول کریم کے مخصوص صیانت میں سے ایک یہ بات تھی کہ آپ نے جنگ کی پاکیزگی کے علاوہ جو مختلف مذاہب میں ضروری سمجھی جاتی تھی شخصی صفائی کو بھی ضروری قرار دیا اور اسی صفائی کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

لیکن چونکہ بعض لوگ افراط کا پہلو اختیار کر لیتے ہیں اسلئے فرما دیا وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ یعنی میری ہل راحت نماز میں ہی رکھی گئی ہے پس چاہئے کہ میرے ان احکام کو دیکھ کر کہ عورتوں سے نیک سلوک ہو نا چاہئے اور خوشبو کا استعمال کرنا چاہئے کوئی شخص یہ غلط مفہوم نہ لے لے کہ بس عورتوں کی رضا ہی میں لگا رہے اور ظاہری صفائی میں ہی لگا رہے بلکہ چاہئے کہ عورتوں سے حسن سلوک بھی کر دے اور ظاہری پاکیزگی کا بھی خیال رکھو لیکن اصل لذت تمکو اللہ تعالیٰ ہی کی یاد میں حاصل ہو۔

مصنف صاحب ہفوات ان معنوں پر غور کریں اور سوچیں کہ کیا یہ حدیث احکام اور اخلاق کے قابل ہے یا اس قابل ہے کہ اسکو دشمنوں کے سامنے اسلام کی خوبیوں کے اظہار اور رسول کریم کے کمالات کیلئے پیش کیا جائے ان کو چاہئے کہ جب وہ کسی حدیث کے معنی کرنے لگیں تو یہ دیکھ لیا کریں کہ وہ انکی نسبت نہیں ہے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہے اور اس کے اندر ان کے خیالات کا اظہار نہیں ہے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات کا اظہار ہے اور آپ کے خیالات اور جذبات کے مطابق اس کا ترجمہ نہ کیا کریں۔

اگر اس حدیث میں انسان کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اسکے معنی بیویاں کیا جائے تب اس حدیث کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے بیویوں اور خوشبو کی طرف میری رغبت جمیرا کی ہے ورنہ میری لذت تو نماز ہی میں ہے اور بیٹھنی بھی صحیح ہیں۔ اگر اسلام میں رہبانیت کو روکا نہ جاتا اور اسکی اجازت دی جاتی تو اغلب تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم امور خانہ داری میں پڑتے کی بجائے اپنے اوقات کو ذکر الہی ہی میں صرف کرتے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو ذکر الہی کا جزو قرار دیا ہے اور خصوصاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تو بہت سی بیویوں کا ہونا ضروری تھا تا کہ وہ عملاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے طریق معاشرت کو سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت بصدیقہ جمہول فرمایا ہے۔ اُحِبُّ بَصِیْقَہَ مَعْرُوفٍ اِنَّمِیْسُ فَرِیَاہِیْسُ حدیث کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسکی حکمت کاملہ کے ماتحت مینے بہت سے نکاح کئے ہیں اور خوشبو کو پسند کرتا ہوں ورنہ میری لذت تو ذکر الہی میں تھی۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ دنیا کی کوئی لذت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بخواہش خود استعمال نہیں فرماتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے منشاء اور اسکے ازلی قانون کی متابعت میں بقدر ضرورت دنیا کی چیزوں سے تعلق رکھتے تھے اور یہ مضمون آیت ان ضلونی ولنسکى وھمای وھمانى للضعف الخالمین کے عین مطابق ہے اور اس پر اعتراض کرنا کوشش کی دلیل ہے۔

مینے اس اعتراض پر زیادہ بسط سے اسلئے لکھا ہے کہ یہ ایک اصولی سوال ہے اور مصنف ہفوات کی طرح بہت سے لوگ اس وہم میں پڑے ہوئے ہیں کہ استعمال طبیات شائد ایک مکروہ بات ہے جو عام مومنوں کو تو جائز ہو سکتی ہے مگر بزرگوں اور نبیوں کے لئے جائز نہیں۔ حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔ طبیات ایک نعمت ہے اور ہر نعمت کے اصل مستحق اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو یہ دنیا ہی پیدا نہ کی جاتی۔ ہاں چونکہ وہ اپنی محبت کو خدای ہی کیلئے وقف کر چکے ہوتے ہیں وہ جس دنیاوی کام کو کرتے ہیں محض احکام الہی کی بجا آوری میں کرتے ہیں اور اسکے قانون کے اوپر کو مد نظر رکھ کر کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ان نعمتوں کے حقیقی مستحق نہیں ہیں وہ زیادہ شوق انہی کا رکھتے ہیں جیسے ایک شخص کسی دوست کو ملنے جاتا ہے تو جبکہ خیال کی تمام توجہ اپنے دوست کی صحبت سے فائدہ اٹھانے میں لگی ہوئی ہوتی ہے

اور وہ کھانا محض دوست کے اظہار محبت کی قدر کے طور پر کھاتا ہے اسکے ٹوکروں کی توجہ زیادہ کھانے کی طرف ہوتی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ ایک حق پسند انسان کی تسلی کیلئے کافی ہے لیکن سب دنیا حق پسند نہیں ہوتی اور خصوصاً مصنف ہفوات کے تو ایک ایک لفظ سے تعصب اور بغض ٹپک رہا ہے۔ انہی نسبت یہ خیال بہت مشکل ہے کہ وہ بلا اپنے گھر کے بھید معلوم کر نیکی خاموش ہوں بلکہ کوئی تعجب نہیں کہ وہ سب جواب بڑھکے پھر بھی تحریر فرمادیں کہ ”مسلمانوں کو کسی کہنیا پر رستے پر عبادت دی اور انہوں نے اس ذلیل کو حدیث سچھ لیا“ پس چاہتا ہوں کہ ان کو بتا دوں کہ وہ کہنیا پرست (لغو ذوالمدین ذلک) کا لفظ کسی نسبت استعمال کر رہے ہیں۔ فردع کافی جلد کتاب النکاح باب النساء میں عمر بن یزید امام ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ قال ما اظن رجلاً یزید فی الايمان الا انزاد احباً للنساء۔ ترجمہ۔ میں ہرگز خیال نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص ایمان میں ترقی کرتا ہو بلا اسکے کہ ساتھ ساتھ عورتوں کی محبت میں بھی بڑھتا ہو۔ دوسری روایت حفص بن البخری کی امام ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اسی کتاب اسی باب میں درج ہے اور وہ یہ ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احببت من دنیا کم الا النساء والطیب۔ ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تمہاری دنیا میں سے محبت نہیں کرتا مگر عورتوں اور خوشبو سے۔ یہ الفاظ ابو داؤد کی روایت سے بہت زیادہ سخت ہیں کیونکہ انہیں تو حبیبت کے لفظ تھے جن کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ میں خود تو محبت نہیں کرتا مجھ سے محبت کرائی جاتی ہے۔ لیکن امام ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ ایک طرف تو یہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایمان میں ترقی ہی نہیں کر سکتا جب تک کہ عورتوں سے محبت نہ ہو۔ دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں میں تمہاری دنیا میں سے عورتوں اور خوشبو سے محبت کرتا ہوں اب مصنف ہفوات صاحب فرماتے ہیں کہ وہ کہنیا پرست اور واضح حدیث کے الفاظ اس امام اہل کی نسبت بھی استعمال کرینگے یا صرف یہ الفاظ ابو داؤد ہی کی نسبت استعمال کئے جاسکتے ہیں؟ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ جب کوئی شخص کسی رشتہ باز انسان پر اعتراض کرتا ہے تو اس کا نام ٹھہرای نہیں سکتا جب تک کہ سب راستہ بازوں پر حملہ نہ کرے کیونکہ رشتہ باز سب ایک زنجیر سے

دوسری روایت اہل شیعہ کی جو پیش کشیں کرنا چاہتا ہوں حسب ذیل ہے۔ عقیدہ بن خالد بیان کرتے ہیں میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کے پاس آیا جب آپ گھر سے نکل کر آئے تو کہا کہ یا عقیدہ متدخلنا عندک هؤلاء النساء۔ ترجمہ۔ اے عقیدہ ان عورتوں سے نہیں مشغول رکھا اور تیرے پاس نہ آنے دیا۔ فروع کافی جلد دوم کتاب النکاح باب غلبۃ النساء۔ مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو امام صاحب جو نبیوں کی طرح آپ کے عقیدے میں معصوم تھے عورتوں سے تعلق کو مستحب زیادہ لذیذ فتنے بتاتے ہیں۔ دوسرے دین کی خدمت پر آنیوالے لوگوں سے عورتیں ان کو روک بھی لیتی ہیں اور وہ ان کی صحبت میں بیٹھے ہوئے خدمت دین کو بھول جاتے ہیں۔ کیا اب اہل سنت بھی کہہ رہے ہیں کہ امام کی شان تو یہ ہے کہ وہ معرفت الہی اور ہدایت خلق اللہ اور اجرائے احکام خدا میں زیادہ خوش ہو نہ کہ عورتوں اور اسکے لوازم خوشبو سے محاذ اللہ اور کیا مصنف صاحب ہفوات اپنے اعوان شیعہ صاحبان کی مدد سے ان کتب اہل شیعہ کے احکام اور احراق کا کوئی انتظام کرینگے؟ میرے نزدیک ان کو پہلے اپنے گھر کی کتب کے احراق اور احکام سے فارغ ہو لینا چاہئے پھر دوسری طرف توجہ کرنی چاہئے کیونکہ دوسرے کو کہنے کا وہی شخص مستحق ہوتا ہے جو پہلے اپنے گھر کا انتظام کر لے۔

یہ جواب تو اس اصل کو مد نظر رکھتی ہوئے ہے جو مصنف ہفوات نے تجویز کیا ہے لیکن جس اصل کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اسکے رو سے امام ابو عبد اللہ رضا کی ہمارستا اور پاکیزگی اور تقویٰ اور بزرگی میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ نہ ان کتب اہل شیعہ کی تحقیق ہوتی ہے۔ ہم جب تک بددیانتی ثابت نہ ان کی کوشش کی بھی قدر کرتے ہیں اور میرے نزدیک انہوں نے ائمہ اہل بیت کے اقوال نقل کر کے ایک قابل قدر خدمت کی ہے۔ اگر اس خدمت میں نادانستہ ان سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس سے انکی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ نہ انکی کتابوں کی عظمت کو صدمہ پہنچتا ہے اور اگر دانستہ غلطی کی ہے تو اسکے ذمہ دار وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں ہونگے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہؓ سے عشق

دوسرا اعتراض مصنف ہفوات کا یہ ہے کہ احادیث میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عاشق تھے۔ اور یہ بات غلط ہے۔ اور اسکی تائید میں انہوں نے
 کئی احادیث نقل کی ہیں جنکے متعلق میں الگ الگ لکھتا ہوں۔ اول تو انہوں نے جواب الکافی
 سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کان اذ رأی عائشۃ لم یزالک نفسہ جب
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے تھے تو ان کا اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا
 تھا یہ روایت جواب الکافی میں بلا حوالہ کتاب اور بلا سند درج ہے اسلئے نہیں کہہ سکتا کہ
 یہ کسی کتاب میں سے مصنف کتاب نے درج کی ہے یا یہ کہ ان کے شمارنا قابل اعتبار روایات
 ہیں سے ایک ہے جو عام طور پر مجالس وعظ کی زینت کیلئے لوگوں میں مشہور تھیں۔ مگر اس میں
 کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کا مضمون قابل اعتراض ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
 شان کے خلاف اور قرآن کو ہم کے بتائے ہوئے اخلاق محمدی کے برعکس ہے۔ پس یہ روایت
 بہ سبب مضمون قرآن اور صحیح روایات اور عقل سلیم کے خلاف ہونیکے غلط ہے اور ان آیات
 سے معلوم ہوتی ہے جو عبداللہ بن ابی بن سلول کے چیلے چانٹوں کی طرف سے مشہور کی جاتی تھیں
 اور جن کا ذکر اجد میں منافق مسیحی اور یہودی بنو مسلموں نے تازہ رکھا۔ مگر باوجود اسکے کہ یہ
 روایت میرے نزدیک بالکل ناقابل اعتبار اور صریح دروغ ہے اسکے پیش کر نیے مصنف
 ہفوات کا جو منشاء ہے وہ کسی صورت میں پورا نہیں ہو سکتا نہ اس روایت کا جھوٹا ہونا جیسا کہ
 میں پہلے ثابت کر آیا ہوں محدثین کی شان کو کم سکتا ہے۔ اور نہ ضرورت حدیث کو باطل کر سکتا ہو
 اور نہ اسکے جھوٹے ہونے سے ہمارے لئے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ اس روایت کا کو کتابوں میں سے
 نکال پھینکیں۔ اگر ہم ایسا کرنے لگیں تو بعض دوسرے لوگ اسکے مقابلہ میں صدائوں کو بھی
 نکال کر پھینک دینگے۔

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ احادیث کی کتب غلطی سے پاک نہیں ہیں اور نہ ہر ایک کتاب
 نیک نیتی سے لکھی گئی ہے کئی کتب محض مجالس وعظ کو رونق دینے کیلئے لکھی گئی ہیں مگر باوجود
 اسکے اس فن کے کمال تک پہنچانے والوں کی خدمت اسلام کا افسار نہیں ہو سکتا اور ہزاروں
 صدیوں کے جھوٹا بننے پر بھی اس فن کی حقارت نہیں کیجا سکتی۔ اس وقت کوئی شخص قابل
 ملامت ہو سکتا ہے جبکہ وہ ان مزیدل شان رسالت احادیث کو صحیح قرار دے اور انکی اپنی دلیل

بھی نہ کر سکے جس سے وہ اعتراض دور ہو جائے جو ان سے پیدا ہوتا ہے۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ علماء سلف ایسی روایات کو ہمیشہ باطل قرار دیتے چلے آئے ہیں پس صرف نقل کر دینے کے سبب وہ کسی الزام سے بچے نہیں آسکتے کیونکہ اسکا خیال تھا کہ ہمیں ہر ایک قسم کی روایات لوگوں کیلئے جمع کر دینا چاہئے۔ ہاں علماء خلف ہمیشہ اس الزام کے نیچے ہیں کہ انہوں نے ان احادیث اور روایات کو اتنا رواج نہیں دیا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی شان ظاہر ہوتی تھی اور اپنے وعظوں کو عوام میں دلچسپ بنانے کیلئے جھوٹے قصوں اور غلط روایات کو صحیح احادیث قرار دیکر لوگوں میں خوب رائج کیا بلکہ انکا انکار کر نیوگیا کہ اسلام کا دشمن اور حدیث کا دشمن قرار دیا۔ ایسے لوگوں کے طریق عمل کو ہم اس سے بھی زیادہ حقارت کی نگہ سے دیکھتے ہیں جتنا کہ مصنف صاحب ہفتوات کے طریق عمل کو دیکھتے ہیں کیونکہ مصنف صاحب ہفتوات نے تواضع مسطرات اور صحابہ کرام اور علماء اسلام پر حملہ کیا ہے اور ان لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کر نیکی کوشش کی ہے اور عبداللہ بن ابی سلول کے ہم آواز ہو گئے ہیں۔ ہماری جماعت کی کوششیں شرع سے ایسے ناپاک لوگوں کے خلاف صرف ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی جب تک کہ یہ لوگ ہٹل اکاذیب ہوتے ہوئے حدیث کے نام کو بدنام کرنا اور قرآن کریم پر روایات کو جو محتمل کذب و صدق ہیں مقدم کرنا نہ چھوڑ دیں گے۔

دوسری روایت اس خیال کی تصدیق میں مصنف ہفتوات نے بخاری کتاب التفسیر سے پیش کی ہے۔ یہ روایت ابن عباس رضی سے مروی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن عباس رضی کہتے ہیں کہ میرے دل میں مدت سے خواہش تھی کہ میں حضرت عمر رضی سے ایک بات دریافت کروں آخر ایک دن موقعہ پا کر میں نے آپسے پوچھا کہ وہ دو عورتیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی تھی وہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا وہ حفصہ اور عائشہ رضی ہیں اور پھر فرمایا کہ ہم لوگوں میں عورتیں بالکل حقیر سمجھی جاتی تھیں حتیٰ کہ قرآن کریم میں انکے حقوق مقرر ہوئے۔ ایک دن کسی بات کو میں سوچ رہا تھا میری بیوی نے مجھے کہا کہ اگر اس طرح کر لو تو اچھا ہے میں ناراض ہوا کہ تیرا حق کیا ہے کہ مجھے مشورہ دے اس پر میری بیوی نے کہا عجب الٹ یا ابن الخطاب ما ترمذ ان تراجم انت وابتدات

لتراجع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يظلل يومه غضبان فقام
 عمر فاخذ رداءه مكانه حتى دخل على حفصة فقال لها يا بنية انك لتزاجين
 رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يظلل يومه غضبان فقالت حفصة والله
 انالزاجعه فقلت تعلمين اني احذرك عقوبة الله وغضب رسول الله صلى
 الله عليه وسلم لا تغرنك هذه التي اعجبها حسنها حب رسول الله اياها يريد عائشة
 (ترجمہ) اے ابن خطاب تجھ پر تعجب ہے کہ تو ناپسند کرتا ہے کہ تیری بیوی تیری بات
 میں بولے اور تیری بیٹی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کا جواب دیتی ہے
 یہاں تک کہ آپ کبھی سارا سارا دن ناراض رہتے ہیں یہ سنکر عمر نہ کھڑے ہوؤ
 اور اپنی چادر ٹھیک طرح اوڑھی اور حفصہ رض کے پاس آئے اور کہا کہ اے بیٹی کیا یہ
 سچ ہے کہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں بول پڑتی ہے یہاں تک
 کہ آپ دن دن بھر ناراض رہتے ہیں۔ حفصہ رض نے کہا خدا کی قسم ہم تو آپ کی باتوں
 کا جواب دیدیا کرتی ہیں۔ پس میں نے کہا یا درکھ میں تجھے اللہ کے عذاب اور اس کے
 رسول کے غضب سے ڈراتا ہوں۔ اے بیٹی تجھے اس بیوی کا طریق عمل دھوکے میں
 نہ ڈالے جسے اپنے حق یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر ناز ہے اور اس
 سے ان کی مراد حضرت عائشہ رض سے تھی۔

اس بکڑی حدیث کو نقل کر کے مصنف ہفوات یہ اعتراض کرتے ہیں۔ اول رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان کہ جس بی بی کا دل خدا سے پھر گیا ہوا سپر آپ فریفتہ ہوں
 دوم جو بیوی خدا سے منحرف ہو وہ ان کی زوجیت میں رہ جائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔
 سوم رسول اللہ پر ازواج کی یہ زیادتیاں ہوں کہ آپ کئی کئی دن غم و غصہ میں مبتلا
 رہیں یعنی کار رسالت سے معطل رہیں۔ ان ہفوات کو عقل انسانی ہرگز قبول نہیں
 کرتی۔

چونکہ عشق کے ہیڈنگ کے نیچے یہ حدیث لکھی گئی ہے۔ اور چونکہ اعتراضات ہیں
 عشق کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ہفوات کے نزدیک عشق کے

اعتراض کے علاوہ مذکورہ بالا حدیث پر یہ اعتراض پڑتے ہیں۔

اس حدیث سے عشق کا مفہوم نکالنا تو مصنف ہنفوات کی عقل میں ہی آسکتا ہے کیونکہ اس میں نہ عشق کا کوئی ذکر ہے نہ کوئی واقعہ ایسا لکھا ہے جس میں یہ اشارہ پایا جائے کہ رسول کریم صلی اللہ کو حضرت عائشہ رض سے عشق تھا۔ ہاں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رض کی نسبت زیادہ محبت تھی۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے عشق کا نتیجہ نکالا جائے یا جس پر کسی قسم کا اعتراض ہو سکے۔ حضرت عائشہ رض کی نیکی۔ ان کی رسول کریم صلعم سے فدایت اور ان کے والد رض کی خدمات و قربانیاں ایسی نہ تھیں کہ ان کی وقعت کو دوسری بیویوں کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں بڑا نہ دیتیں۔ پس اس کی وجہ سے حضرت عائشہ رض سے آنحضرت صلعم کا زیادہ محبت کرنا قابل اعتراض امر نہیں بلکہ اس قدر وہ طرز عمل پر روشنی ڈالتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ایک ممتاز نمونہ پیش کرتی ہے۔ اور اس اعتراض سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف صاحب ہنفوات کی نظر میں محبت کا کوئی نہایت ہی غلط مفہوم بیٹھا ہوا ہے اور وہ اپنی جہالت کا غصہ ائمہ حدیث پر نکالنا چاہتے ہیں۔

دوسرا اعتراض بھی کہ جس نبی کا دل خدا تعالیٰ سے پھر گیا ہوا سپر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح فریفتہ ہو سکتے تھے۔ ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ پہلا کیونکہ قرآن کریم میں ہرگز کسی جگہ یہ بیان نہیں ہوا کہ حضرت عائشہ رض یا کسی اور بیوی کا دل پھر گیا تھا۔ بلکہ قرآن کریم میں تو اس کی بجائے یہ بیان ہے کہ ان کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف اٹل تھا۔ اور وہ اس کی رضا پر چلنے کے لئے بالکل تیار تھیں۔ مصنف ہنفوات خود ہی آیت کے ایک غلط معنی کر کے ائمہ حدیث پر اعتراض کرنے لگیں تو اس میں ائمہ حدیث کا کیا قصور ہے؟

وہ الفاظ قرآن جن سے مصنف ہنفوات نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عائشہ رض کا دل خدا تعالیٰ سے پھر گیا تھا یہ ہیں۔ ان تلتہم یا الی اللہ فقد صغت قلوبکما

۱۔ تَنَظَّاهِرًا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةِ
 بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ۔ تخریج ۱۔ (ترجمہ) اگر تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ تو
 تمہارے دل تو جھٹک ہی چکے ہیں اور اگر تم دونوں اسکے خلاف ایک دوسرے
 کی مدد کرو تو اللہ اس کا دوست ہے اور جبریل بھی اور مسلمانوں میں سے ایک لوگ
 بھی اور پھر اسکے ساتھ فرشتے بھی اسکے مددگار ہیں۔ اس آیت سے ہرگز ثابت نہیں
 ہوتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں کے دل خدا سے پھر گئے تھے
 بلکہ اسکے برخلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان بیویوں کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف جھک
 ہوئے تھے۔ کیونکہ ان توبہ الی اللہ کے بعد فقد صغت قلوبکما فرمایا ہے جس
 معلوم ہوتا ہے کہ پچھذا فعل پہلے فعل کا باعث اور موجب ہے۔ اور یہ خیال کرنا کہ کسی
 شخص کا دل پھر جانا توبہ کا موجب اور باعث ہوگا عقل کے خلاف ہے۔ دل میں
 خشیت کا پیدا ہونا توبہ کا محرک ہوتا ہے نہ کہ دل کا خدا سے دور ہو جانا پس فقد
 صغت قلوبکما کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تمہارے دل اللہ تعالیٰ سے پھر گئے ہیں۔ بلکہ
 یہ معنی ہیں کہ تمہارے دل تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے ہوئے ہیں یعنی یہی کام
 تمہارا اصلی کام ہے اور غلطی دل سے نہیں ہوئی بلکہ سہوا ہوئی ہے۔ ان معنوں کے
 سوا دوسرے کوئی معنی کرنے لغت عرب اور قواعد زبان کے بالکل خلاف ہیں اور
 ہرگز جائز نہیں اور تعجب ہے ان لوگوں پر جو تعریفی کلمات کو مذمت قرار دیتے ہیں۔
 غرض اس آیت میں تو تعریف کی گئی ہے کہ اگر اے بیویو تم توبہ کرو تو تم اسکی
 اہل ہو۔ کیونکہ تمہارے دل پہلے ہی خدا کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ ہاں اگر توبہ نہ کرو
 تو ہمیں تمہاری پرواہ نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنی لئے جاویں جنہیں مصنف
 صاحب ہفتوات نے پند کیا ہے۔ تو یوں معنی ہوئے۔ اگر تم توبہ کرو تو تمہارے دل
 تو خدا سے دور ہو ہی چکے ہیں۔ اور اگر تم رسول کے خلاف کام کرو تو خدا اور رسول
 اور فرشتے اسکے مددگار ہیں۔ کیا کوئی عقلمند اس فقرہ کی بنا و ربط کو درست کہہ سکتا ہے؟
 کیونکہ مقابلہ کے فقروں میں دونوں حصوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ لیکن ان حصوں کے

رو سے پہلے فقرہ کے دوسرے حصہ کا مقابلہ کسی جملہ سے نہیں رہتا اور مزید براں یہ عجیب جملہ بات ہجائی ہے کہ اگر تم توبہ کرو تو تم تو پہلے ہی گنہ کی طرف مائل ہو چکی ہو کیا گنہ کی طرف میلان کے باعث تو یہ نصیب ہوتی ہے یا خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے سے اور اس سے تعلق پیدا کرنے سے۔ پس صحیح معنے وہی ہیں جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اور ان کے رو سے آیت مذکورہ بالا سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بعض بیویاں رسول کریم کی الد سے دور ہو گئی تھیں۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی وہ بیویاں دل سے نیک اور پرہیزگار تھیں۔ جو غلطی ان سے ہوئی تھی وہ سب ہوا اور بشریت کی کمزوری کے ماتحت تھی۔

دوسرا اعتراض مصنف صاحب ہفوات کا یہ ہے کہ جو بیویاں خدا سے منحرف ہوں وہ نبی کی زوجیت میں کس طرح رہ سکتی ہیں؟ یہ اعتراض تین وجہ سے باطل ہے۔ اول تو اس وجہ سے کہ حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویاں خدا کے دور تھیں مگر باوجود اسکے وہ ان کی زوجیت میں رہیں۔ اگر مصنف صاحب ہفوات اس صورت کا آخری حصہ پڑھ لیتے تو ان کو یہ چھو کر نہ لگتی مگر قرآن کا پڑھنا ان کے لئے ہنات مشکل ہے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس میں بہت کچھ رخصت انداز میں کر دی ہوئی ہے (لنؤذی بالہ من ذلک) ان کے نزدیک تو قرآن کریم کی صرف وہی آیت قابل سند اور قابل مطالعہ ہے۔ جس میں سے وہ توڑ مروڑ کر کوئی اعتراض خدام اسلام پر کر سکیں۔

اسی سورہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرأة نوح وامرأة لوط كانتا تحت عبدين من عبادنا صالحین فخانتاهما فلم یغنیہما عنہما من اللہ شیئاً وقیل ادخلا النار مع الداخلین۔ سورہ تحریم ع ۲ (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کافروں کی دو مثالیں بیان کرتا ہے۔ ایک تو نوح کی بیوی کی اور ایک لوط کی بیوی کی وہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں مگر ان کے خلاف رستہ پر چلیں پس وہ دونوں نبی خدا کے عذاب سے ان کو ذرہ بھی نہ بچا سکے۔ اور ان دونوں سے کہا گیا

کہ جس طرح باقی لوگ آگ میں داخل ہوتے ہیں تم بھی آگ میں داخل ہو جاؤ۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ باوجود خدا سے دور ہونے کے ایک عورت بنی کے نکاح میں رہ سکتی ہے کیونکہ مذہب اور عقیدہ کا تعلق نکاح کے ساتھ نہیں۔ (ہاں اہل اسلام کے لئے شرط ہے کہ صرف اہل کتاب سے شادی کریں) ظاہری اخلاق اور شرافت کا تعلق ہے۔ ایک بکار اور فاحشہ عورت بنی کی بیوی نہیں رہ سکتی۔ لیکن مذہباً اگر وہ خراب ہے تو وہ نکاح میں رہ سکتی ہے۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ جیسا کہ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں۔ اس آیت کے یہ معنی ہی نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بیوی خدا سے دور ہو گئی تھی۔ بلکہ اسکو یہ معنی ہیں کہ ان کا دل بالکل خدا کی طرف متوجہ تھا اور جو غلطی ہوئی تھی محض سہواً تھی پس یہ اعتراض اسجگہ پڑتا ہی نہیں۔

تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ یہ آیت تو قرآن کریم کی ہے۔ امام بخاری کی روایت تو نہیں جس پر اعتراض ہے۔ پس اعتراض امام بخاری پر نہیں امدتعالیٰ پر ہے۔ اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ یا تو اس آیت کے معنی بڑے ہیں یا اچھے۔ اگر اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ کی دو بیویاں خدا سے پھر گئی تھیں۔ اور اگر یہ درست ہے کہ خدا سے دور ہو بیویاں بیویاں بنی کی زوجیت میں نہیں رہ سکتیں تو پھر امام بخاری ہی کا یہ فرض نہیں کہ وہ یہ بتائیں کہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو بیویوں کو الگ کیوں نہ کر دیا۔ بلکہ مصنف ہنفوات کا بھی جتنک وہ مسلمان کہلاتے ہیں فرض ہے کہ بتائیں کہ پھر رسول اللہ صلم نے خدا کے حکم کے خلاف کام کیوں کیا۔ پس ان کا یہ اعتراض بخاری پر نہیں بلکہ درحقیقت قرآن کریم پر ہے کیونکہ فقد صغت قلوبکما بخاری کی روایت نہیں بلکہ قرآن کریم کی آیت کا ایک حصہ ہے۔

اور اگر اس آیت کے معنی اچھے ہیں اور اس میں ازواج مطہرات کی تعریف کی گئی ہے تو پھر مصنف ہنفوات نے اس آیت کی بنا پر اعتراض کیوں کیا ہے۔ جب بیویاں نیک تھیں تو ان کے علیحدہ کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟

تیسرا اعتراض مصنف ہفوات کا یہ ہے کہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ پر ایسی زیادتیاں کریں کہ کئی کئی دن تک آپ غم و غصہ میں مبتلا رہیں اور کار رسالت سے معطل رہیں۔

اس اعتراض سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف صاحب ہفوات کا دماغ قوت ایجاد کا وافر حصہ رکھتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ناپسند اور مکروہ باتوں کی ایجاد ہی میں مشغول رہتا ہے۔ اول تو حدیث میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس میں ازواج مطہرات کی زیادتیوں کا ذکر ہو۔ حدیث کے الفاظ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے دستور کے خلاف اس حریت کی روشنی میں جو اسلام لائے پھیلانی تھی۔ اور ان محبت کے تعلقات کے نتیجے میں جو میاں بیوی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی بیویاں بعض دفعہ بعض معاملات میں آپ کو مشورہ دیدیا کرتی تھیں اور بعض دفعہ اس تعلق محبت کی بنا پر آپ پر اپنی بات کے متوالے کئے لئے زور بھی دیدیا کرتی تھیں۔ کیا اس بات کا نام کوئی شخص زیادتی رکھ سکتا ہے؟ حدیث میں الفاظ متراجعت کئے ہیں یعنی بات کا جواب دینا۔ اور واقعہ بتلانا ہے کہ جواب دینے سے کیا مراد ہے۔ کیونکہ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہی ہے اور اس کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کسی بات کو سوچ رہے تھے کہ آپ کی بیوی نے مشورہ کوئی بات کہی کہ جس امر میں آپ کو فکر ہے۔ آپ اس میں اس طریق سے کام کر سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دستور عرب کے مطابق عورت کا مشورہ میں دخل دینا ناپسند ہوا ہے اور آپ نے اسے ڈانٹا سپراسنے کہا کہ آپ کیوں ناراض ہو جاتے ہیں؟ اس طرح تو آپ کی بیٹی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کر لیا کرتی ہے پس مراجعت کے معنی خود الفاظ شہد سے ہی کھل جاتے ہیں یعنی بات میں دخل دے لینا نہ کہ تو تو ہیں میں کرنا اور لڑنا جو مضمون کہ مصنف ہفوات لکھنا چاہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کسی بات کو روک دیا تھا کہ اسکی نسبت یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اگر اس کے لئے یہ لفظ صرف مشورہ دینے پر بولا گیا ہے۔ تو اس حدیث میں وہی لفظ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی بیویوں کی نسبت استعمال ہوا ہے تو اس کے وہی معنی کیوں نہ کئے جاویں اور کیوں اس کے معنی زیادتی کے کئے جاویں؟

باقی رہا یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی کہا گیا ہے کہ آپ اس جواب سے دن بھر ناراض رہتے تھے تو اولاً یہ حضرت عمرؓ کی بیوی کے لفظ ہیں اور ان کی تصدیق نہ حضرت عمرؓ نے کی ہے نہ حضرت حفصہؓ نے کیونکہ جب انہوں نے حضرت حفصہؓ کے سامنے واقع بیان کیا ہے تو انہوں نے اس امر کی تو تصدیق کی ہے کہ ہم آپ سے اصرار کر کے بات کر لیا کرتی ہیں لیکن اس کا اقرار نہیں کیا کہ آپؐ بھی سارا سارا دن ناراض رہتے ہیں پس یہ ایک عورت کا خیال ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ یہ خیال غلط تھا تو حدیث کی صحت یا امام بخاری کی شخصیت پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔

دوسرے اگر اس امر کو نظر انداز بھی کر دیا جائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض رہنے کو بطور واقع بیان نہیں کیا گیا بلکہ ایک عورت کے خیال کے طور پر بیان کیا گیا ہے جس کی حضرت حفصہؓ تصدیق نہیں کرتیں تو بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپؐ پر کوئی زیادتی کرتی تھیں بلکہ صرف ثابت ہوتا ہے کہ وہ مشورہ میں کوئی ایسی بات کہہ بیٹھتی تھیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کہنی مناسب نہیں ہوتی تھی۔ اور آپؐ اسپرنا پسندیدگی کا اظہار فرما دیتے تھے اور یہ بات ان دو شخصوں کے تعلقات میں جو اخلاق اور علم میں فرق رکھتی ہوں پیدا ہو جانی بالکل معمولی ہے۔

دوسری ایجاد مصنف صاحب ہفتوات کے دماغ کی یہ ہے کہ حدیث میں تو یہ لفظ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن ناراض رہتے اور وہ اپنے اعتراض میں لکھتی ہیں کہ کئی کئی دن تک آپؐ غم و غصہ میں مبتلا رہتے۔

تیسری ایجاد مصنف ہفتوات کی یہ ہے کہ حدیث میں تو لفظ غضب کا استعمال ہوا ہے جو اچھے اور بُرے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت بھی استعمال ہو جاتا ہے جیسا کہ آتا ہے من لعنہ اللہ وغضب علیہ اور انہوں نے

اس لفظ کو بذل کر غم و غصہ کا لفظ استعمال کر دیا ہے تاکہ اعتراض مضبوط ہو جائے۔
 کیونکہ غصہ کا لفظ عربی زبان میں برے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس لفظ کا
 مفہوم یہ ہے کہ جس شخص کے اندر یہ مادہ جوش میں آوے خود اسکو تکلیف ہو اور اس کا
 گلا گھٹ جائے۔ اور یہ حالت صرف ان لوگوں کی ہوتی ہے جو جوش سے اندھے ہو جاتے
 اور ماسوا کو بھول جاتے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
 دوزخیوں کے کھانے کی نسبت آتا ہے **و طعنا ما اذا غصته وہ کھانا ان کو ملیگا جو ان کے**
گلے کو پکڑ لیگا اور نہ باہر نکل سکیگا نہ اندر جا سکیگا۔

لغت میں بھی یہی معنی کیے ہیں کہ غصہ اس حزن کو کہتے ہیں جو انسان کے گلے کو
 پکڑے یعنی اس کی حالت موت کی سی کر دے جیسے کسی کا گلا بند ہو جائے۔ پس یہ لفظ
 اللہ تعالیٰ اور اس کے نیک بندوں کی نسبت استعمال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا مفہوم
 ان کے اندر نہیں پایا جاتا۔ اور حدیث میں یہ لفظ رسول کریم کی نسبت استعمال نہیں ہوا
 بلکہ غضب کا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

مصنف ہفوات کے دماغ کی چوتھی اختراع یہ ہے کہ وہ اس حدیث سے یہ مطلب
 نکالتے ہیں کہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے۔ آپ اپنی بیویوں کی بات
 پر اظہار غضب کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا رسالت سے معطل ہو جاتے
 تھے۔ حالانکہ غضب کرنے اور کار رسالت سے معطل ہونے کا کوئی بھی علاقہ نہیں ہے۔
 معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب مصنف ہفوات نے محبت کا غلط مفہوم سمجھ کر پہلی حدیث پر اعتراض شروع کر دیا تھا۔
 کا غلط مفہوم سمجھ کر دوسری حدیث پر اعتراض شروع کر دیا۔ اگر وہ قرآن کریم پر نظر ڈالتے تو ان کو اس قسم کے
 اعتراضات کر کے خود سبکی نہ اٹھانی پڑتی اور دشمنان اسلام کو خوشی کا موقع نہ ملتا۔
 میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی نسبت قرآن کریم میں بار بار استعمال ہوا
 ہے چنانچہ بعض آیات اور لکھ دیتا ہوں جن سے معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ بھی غضب کرتا
 ہے۔ سورہ مجادلہ میں فرماتا ہے **تولوا قومًا غضب اللہ علیہم (ع ۳)**
 سورہ نساء میں ہے۔ **و غضب اللہ علیہ و لعنہ (ع ۱۳)** (سورہ فتح میں ہے۔

و غضب اللہ علیہم (۱) اور اگر مصنف ہنواست نماز کے فریضہ کے اوپر نیکی

طرف بھی کبھی متوجہ ہوتے ہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ سورہ فاتحہ جسے ایک مسلمان کم سے کم تیس دفعہ دن میں پڑھتا ہے اس میں غیر المغضوب علیہم ایک قوم کی نسبت آتا ہے۔ اور اس غضب کی مدت قیامت تک ہے جیسا کہ فرماتا ہے واذ تأذن ربك لیبعثن علیہم الی یوم القیمة من یسوء مہم سوء العذاب

ان ربك سریع العقاب و انه لغفور الرحیم۔ اعراف ع ۲۱۔ ترجمہ: جب تیری

رب نے خبر دی کہ وہ ان لوگوں پر قیامت تک ایسے لوگ مقرر کرتا رہیگا جو ان کو سخت عذاب دیتے رہیں گے۔ ضرور تیرا رب جلد بڑے کام کا بدلہ دینے والا ہے۔ اور وہ سزا ہی

بہت بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔ اب اگر غضب کرینو الا اپنے کام سے معطل

ہو جاتا ہے اور اسی صورت میں وہ غضب کر سکتا ہے جب اور کسی کی بات کی اسے

ہوش نہ رہے تو کیا اللہ تعالیٰ بھی اپنے کام سے معطل ہو جاتا ہے۔ اور اگر باوجود اس

کہ یہ لفظ بار بار اللہ تعالیٰ کی نسبت استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی شان میں کچھ فرق

نہیں آتا تو کیا رسول کی شان خدا سے بڑھ کر ہے کہ اگر اس کی نسبت یہ لفظ استعمال

ہو جائے تو اس کی شان میں فرق آجاتا ہے۔

اگر یہ کہو کہ خدا تعالیٰ کی نسبت تو یہ الفاظ بطور استعارہ اور مجاز استعمال ہوتے

ہیں اور بندوں کی نسبت اصل معنوں میں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی قاعدہ ایسا

نہیں جس میں استعارہ اور مجاز کے استعمال کے لئے یہ حد لگائی گئی ہو کہ فلاں کیلئے

وہ استعمال ہو سکتا ہے اور فلاں کیلئے نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کیلئے یہ لفظ بطور

استعارہ استعمال ہوتے ہیں تو وہی لفظ اگر اللہ تعالیٰ کے رسول کی نسبت

آگیا ہے تو اسکے حقیقی معنے اگر رسول کی شان کے خلاف ہیں تو ہم اسی طرح ابجگہ

اسکے مجازی معنے لے لیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کی نسبت اسکے مجازی معنے

لیتے ہیں۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ مجاز اور استعارہ کے طور پر وہی لفظ کسی قدر

اور پاک ہستی کی نسبت استعمال کیا جاتا ہے جو پاک ہو پس اگر مجازاً ابھی غضب کا لفظ اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال کیا جاتا ہو تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ وہ لفظ اعلیٰ سے اعلیٰ انسان کیلئے بولنا اس کی شان کے خلاف نہیں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس لفظ کا استعمال آپ کی شان کے خلاف نہیں۔ کیونکہ یہ کسی عیب پر یا کمزوری پر دلالت نہیں کرتا بلکہ غضب اس موقع پر ایک خوبی ہے جس کا پایا نہ جاتا ہے غیرتی پر دلالت کرتا ہے۔

مگر مصنف صاحب ہفوات کی تسلی کیلئے ہم استعارہ اور مجاز کے عذر کو بھی قبول کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا انبیاء اور نیک لوگوں کے لئے اس لفظ کا استعمال قرآن کریم میں دکھا دیتے ہیں۔ سورہ انعام میں یہی لفظ حضرت موسیٰ کی نسبت آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولما رجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا قال بئسما خلفتونی من بعدی۔ ع ۱۸۔ اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف ایسی حالت میں لوٹے کہ وہ ان پر غضبناک تھے اور ان کی حالت پر افسوس کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے میرے بعد میری جانشینی بہت بُری طرح کی ہے۔ اسکے آگے چل کر فرمایا ہے ولما سکت عن موسیٰ الغضب اخذ الالواح۔ ع ۱۶۔ اور جب موسیٰ کا غضب ٹھہر گیا تو انہوں نے تختیاں لیں۔ کیا ان آیات کے مطابق یہ سمجھنا چاہئے کہ نعوذ باللہ حضرت موسیٰ طور سے واپس آئے اور اپنی قوم کے سمجھانے کے عرصہ میں کار نبوت سے معطل رہے تھے۔ اگر نہیں تو رسول کریم کی نسبت یہی لفظ اگر استعمال کیا گیا ہے تو اسکے معنی کار نبوت سے معطل ہونے کے کیونکر ہو گئے۔ کیا اس لئے کہ مصنف ہفوات نے امام بخاری کے پردہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات برکات کو برا بھلا کہنے کی ایک سبیل نکالی ہے یا کم سے کم یہ کہ حدیثوں کی بُرائی ثابت کرنا ان کا اصل مقصد نہیں بلکہ اصل میں صحابہ اور ائمہ دین کو گالیاں دیکر اپنی طبیعت ثانیہ کے مقتضی کو پورا کرنا مطلوب ہے۔

حضرت موسیٰ کے علاوہ یہی لفظ ایک اور نبی کی نسبت بھی استعمال ہوا ہے اور

وہ یونس نبی ہیں جنکو قرآن کریم میں ذوالنون کے لقب سے بھی یاد کیا ہے۔ ان کی نسبت سورہ انبیاء میں آتا ہے **وَذَالنُّونِ اِذَا ذُهِبَ مَعَاذِنَا فَنُظِنَ اِنَّ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ** ع ۶۔ اور ذوالنون کو بھی (بہتے ہر ایت دی تھی) جبکہ وہ غضبناک ہو کر اپنے علاقہ سے چلا اور اسے یقین تھا کہ ہم اس کے ساتھ سختی کا معاملہ نہیں کریں گے۔ پس اس یقین کی بنا پر اس نے مصائب کے وقت پکار کر کہا تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں تو پاک ہے اور میں تو ظالموں میں سے ہوں (یعنی اپنے نفس کو مینے دکھ میں ڈال دیا ہوا ہے) اس آیت میں بھی ایک نبی کی نسبت غضب کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر باوجود اس کے وہ کارِ نبوت سے معطل نہیں ہوا بلکہ نبی ہے اور نبیوں والا کام کر رہا ہے۔ لوگوں سے ناراض ہے مگر اللہ کی مدد کا کامل بھروسہ رکھتا ہے۔ دنیا کی تسکین کو دیکھ کر بھی یقین رکھتا ہے کہ خدا مجھے نہیں چھوڑے گا اور اس کی امداد کے حصول کیلئے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور اس کے لئے الہی رحمت کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔

یہی غضب کا لفظ مومنوں کی نسبت بھی استعمال ہوا ہے اور بہ صورت مدح استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورہ شوریٰ میں فرمایا ہے۔ **وَ اِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ**۔ ع ۴۲۔ جب ان کو کسی پر غضب آتا ہے تو اپنے غضب کے نتیجے میں لوگوں کو سزا نہیں دیتے بلکہ باوجود غضب کے ان کے رحم کا پہلو غالب رہتا ہے اور وہ دوسرے کے قصوروں کو معاف کر دیتے ہیں۔ اس جگہ دیکھو مومنوں کی تعریف میں یہ بات ہمیں ان ہوئی ہے کہ وہ غضب کے وقت سزا سے ہاتھ کھینچ رکھتی ہیں۔ اگر غضب کے معنی کا رسالت سے معطل ہونے کے ہوتے تو یہ مومن کا مؤمنیت سے کیوں معطل نہ ہو جاتا؟ اس جگہ سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ غضب کے باوجود ایک مومن کا تعلق ایمان بھی قائم رہتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی جلوہ گری اپنے اندر پاتا ہے اور اس کے رحم کو اپنے اندر منعکس کر کے وہ لوگوں کی گناہ معاف کرتا ہے۔ تو پھر کیا نبیوں کے دل کا ظرف ہی اس قدر تنگ ہے کہ اس میں غضب کے آتے ہی باقی سب جو اس

وہاں سے غائب ہو جاتے ہیں اور ان کو پھر دنیاؤں میں بلکہ خدا اور عقل کی بھی کچھ فکر نہیں رہتی اور وہ کار نبوت سے معطل ہو جاتے ہیں۔ اس عقل و دانش پر تعجب ہے اور اس علم پر ائمہ پر اعتراض کرنے کی جرأت موجب حیرت ہے۔ اور اس ستم ظریفی پر عقل دنگ ہے کہ آپ بایں علم و فہم لکھتے ہیں کہ ان ہفوات کو عقل انسانی ہرگز قبول نہیں کرتی۔

تیسری روایت مصنف ہفوات نے اس امر کی سند میں کہ ائمہ حدیث کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عشق تھا بخاری کتاب النکاح سے نقل کی ہے۔ یہ روایت درحقیقت ایسی واقع کے متعلق ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے اس لئے واقع کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں سے یہ الفاظ نقل کر کے مصنف

ہفوات نے اعتراض کیا ہے ثقلت یا رسول اللہ لورأیتنی ودخلت علی حفصۃ فقلت لہا لا یغرنک انک انت جارتک اوصا منک وامحب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرید عائشہ رضی اللہ عنہا فتبسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتبسمہ اخری۔ میں نے کہا یا رسول اللہ دیکھئے تو یہی میں حفصہ کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا تجھے کوئی بات دہو کا نہ دے کیونکہ تیری ہمسا ئی تجھ سے رسول کریمؐ کو زیادہ خوش رکھنی والی اور زیادہ پیاری ہے (جس سے ان کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں) پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اپنے خاص طرز میں مسکرائے۔ مصنف ہفوات اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عوام کی طرح مبتلائے نفس امارہ تھے۔ اس عقل و دانش پر مجھے تعجب آتا ہے۔ اگر اس کا نام نفس امارہ ہے کہ کسی شخص جسے خدا تعالیٰ نے رشتہ محبت پیدا کیا ہے محبت کی جائے تو پھر وہ سب روایا جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ذکر آتا ہے وہ سب ہی نفس امارہ کی غلامی پر لگے کہتی ہیں۔ نحوذباللہ من ذلک۔ اور اگر کسی شخص سے دوسروں کی نسبت زیادہ محبت کرتا نفس کی غلامی ہے تو لیوسف و اخوۃ احب الی ابینا مناد یوسف ع کی آیت

کے ماتحت حضرت یعقوب نعوذ باللہ من ذلک نفس الامارہ کے غلام ٹھہرنے۔ افسوس کہ انسان تعصب میں اندھا ہو کر بالکل غور نہیں کر سکتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

مجھے اس اعتراض پر اور کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ محبت کے مضمون پر میں پہلے تفصیلاً لکھ آیا ہوں۔ ہاں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس حدیث کو نقل کر کے مصنف ہفتوات نے جو چند فقرات بزرگ خود اس کے مضمون کو رد کرنے کیلئے لکھے ہیں ان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان صاحب کا عندیہ اصل میں کیا ہے اور اس کتاب کی تصنیف کی حقیقی غرض کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ اس روایت کو ابن عباس سے کتاب المظالم میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس حدیث میں حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کے راز فاش کرنے پر عتاب فرمانے کا بھی ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اوپر کی عشق بازی کی احادیث لغو بہتان ہیں۔ دوم ابن ماجہ جلد سوم باب اسم اللہ الا عظم صفحہ ۲۲۵ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسم اعظم کی تعریف کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمائی ہیں کہ میں نے اس کے سکھانے کی فرمائش دو بار کی لیکن آپ نے انکار فرمایا۔ سوم مولوی حسن الزمان صاحب حیدرآبادی کی کتاب قول مستحسن کے صفحہ ۲۰۲ میں عوام بن حوشب کی روایت ہے کہ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ اور حسن و حسین کے ساتھ چادر لپیٹ کر میں گھسنے کی درخواست کی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہٹ جا۔

ان روایات کے نقل کرنے سے مصنف کتاب کا منشاء سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تحقیق کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص بھی بلا تعصب کے اس کتاب کو پڑھ لے گا اسے ماننا پڑے گا کہ یہی ان کا منشاء ہے۔

گو اس کتاب کے موضوع سے چنداں اسے تعلق نہیں۔ لیکن چونکہ ان اعتراضات کو دیکھ کر اس جگہ درج کر دیا ہے لہذا جواب بھی اس جگہ دیدینا مناسب سمجھتا ہوں۔ امر اول۔ بچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ہونا کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ وہ عتاب خراب ہوتا ہے جو شرارت پر کیا جائے۔ لیکن جو عتاب غلطی پر کیا جائے وہ تو ایک سبق اور نصیحت ہے۔ نبی دنیا میں سکھانے کے لئے آئے ہیں۔ لوگوں میں کمزوریاں

ہوتی ہیں تبہی ان کی بعثت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اس سے بڑے درجہ کے لوگوں کے لئے علوم روحانیہ کے سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی جگہ وہ ٹھوکر کھا جائیں تو ان کو تنبیہ ہوتی ہے اور یہ تنبیہ بطور تلطف ہوتی ہے نہ بہ نظر تنقیر و عذاب۔ پس اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو جو تنبیہ ہوتی ہے وہ عتاب میں ہے تو کوئی ہرج نہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا دل خدا ہی کی طرف مائل تھا پس یہ تنبیہ ان کی عظمت پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ کی علامت ہے۔

دوسرا اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اسم اعظم نہیں سکھایا۔ اصل مضمون سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ بات کہ کسی شخص کو کسی دوسرے شخص سے سخت محبت ہے اس امر کا موجب نہیں ہوتا کہ وہ اسے ہر ایک بات بتا دے۔ مگر اس بات کے بیان کرنے سے چونکہ آپ کی یہ نیت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کو لوگوں کی نظروں میں کم کریں اس لئے اس کا جواب دیدینا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اسم اعظم نہیں سکھایا لیکن اس روایت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسم اعظم کوئی خاص شے ہے جو نہایت پیاروں کو سکھائی جاتی ہے ایک حماقت کی بات ہے۔ اسم اعظم کوئی خاص شے نہیں بلکہ اسم اعظم کے متعلق اس قسم کا خیال مسلمانوں میں یہود سے آیا ہے جو یہود اس کے نام کا تلفظ اس قدر مشکل سمجھا کرتے تھے کہ سوائے عالموں کے دوسروں کے لئے اس نام کا لینا یا اس کا سکھانا جائز نہیں جانتے تھے (دیکھو جو نش انسا نکلو بیڈ یا وانسا نکلو بیڈ یا بلیکا زیر لفظ نیز) اور انکا یہ خیال تھا کہ اس نام کو صحیح طور سے جو شخص بول سکے اس کی ہر ایک غرض پوری ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں میں جب دیگر اقوام سے میل جول کے نتیجے میں ان کے خیالات اور دساوس داخل ہو گئے تو یہ خیال بھی یہود سے داخل ہو گیا اور صرف اسلامی الفاظ کے پردہ میں یہ یہودی عقیدہ عام مسلمانوں میں راسخ ہو گیا۔ ورنہ یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا نام ہے جو اسکے بندوں کے لئے مفید ہے اسکے انبیاء جو

ہر ایک چیز کو جو انسانوں کے لئے مفید ہو ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس نام کو پھپھائے رکھتی ہیں۔ خدا اور اسکے رسولوں کی ہتھک ہے۔ اسم اعظم درحقیقت اللہ کا لفظ ہے جو اسم ذات ہے اور تمام اسماء اسکے ماتحت ہیں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہاں مختلف اشخاص کو ان کے مخصوص حالات کے مطابق بعض خاص اسماء سے تعلق ہوتا ہے اس وقت ان ناموں کو یاد کر کے دعا کرنا ان کے لئے بہت مفید ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واللہ الا اسماء الحسنیٰ فادعوه بها۔ اس وقت موقع کے لحاظ سے ان اشخاص کیلئے وہی اسماء جنکو بلا نیسے انکی حاجت روائی ہوتی ہو ان کے لئے اسم اعظم بنجاتے ہر شخص کے ساتھ اس کا جو اور اس کا اسم اعظم متعلق مذکور ہیں انہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم اعظم سے مراد کوئی خاص پوشیدہ نام نہیں ہے چنانچہ اس حدیث کے ساتھ ہی عبد اللہ بن بریدہ کی روایت درج ہے کہ ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو کہنے سنا۔ اللہم انی استلک بانک انت اللہ الا احد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفو احد۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقد سأل اللہ باسمہ الا اعظم الذی اذا سئل بہ اعطیٰ واذا دُعیٰ بہ اجاب۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو اسکے اسم اعظم سے پکارا ہے جس کے ذریعہ سے پکارنے پر وہ سوال کو قبول کرتا اور پکار کا جواب دیتا ہے۔ پھر ساتھ ہی انس بن مالک کی روایت درج ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ اللہم انی استلک بانک انت اللہ الا انت وحدک لا شریک لک المعنان بدایع السموات والارض ذوالجلال والاکرام تو فرمایا کہ لقد سأل اللہ باسمہ الا اعظم الذی اذا سئل بہ اعطیٰ واذا دُعیٰ بہ اجاب یعنی اس نے خدا تعالیٰ کو اس کے اسم اعظم سے پکارا ہے کہ اگر اسکے ذریعہ سے اس سے سوال کیا جائے تو وہ دیتا ہے اور اگر اسے پکارا جائے تو وہ جواب دیتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) اسم اعظم کسی ایک اسم کا نام نہیں بلکہ ان اسماء کا نام ہے جن سے کسی خاص وقت میں دعا مانگنی زیادہ مفید ہوتی ہے۔ کیونکہ مختلف

لوگوں نے مختلف دعاؤں اور ناموں سے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کیا ہے اور ان کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسم اعظم رکھا ہے (۲) یہ اسم اعظم کوئی پوشیدہ امر نہیں در نہ رسول کریم کو یہ کیوں بتانے کہ ان لوگوں نے اسم اعظم کو یاد کر کے دعا مانگی ہے۔ آپ کو تو چاہئے تھا کہ اگر اتفاقاً کسی کے منہ سے اسم اعظم نکل گیا تھا تو چپ کر رہی۔ (۳) جبکہ آپ علی الاعلان اسم اعظم کی تلقین کر لے تھے تو ممکن نہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھپاتے کیونکہ وہ دوسروں سے سن سکتی تھیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں بعض لوگوں کی خاص حالت کے مطابق بعض اسماء ہوتے ہیں اور وہی ان کے لئے اسم اعظم ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں جس پر صاحب ہفوات نے اعتراض کیا ہے وہی قسم کے اسم کا ذکر ہے اور اس میں یہ جو بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ نام بتایا ہے جس کے ذریعہ سے اگر اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔ اس سے مراد آپ کی اسی اسم سے تھی جو آپ کے ذاتی امور کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا یہ اسم یا بطور الہام یا بطور القاء ہی معلوم کرایا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فائدہ اٹھا کر کسی ایسے امر کے متعلق دعا کرنی چاہی ہے جو ان میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مشترک تھا چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت معلوم ہو چکا تھا کہ وہ امر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ نام نہیں بتایا کہ کہیں جوش میں اس امر کے متعلق وہ دعا نہ کر بیٹھیں۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عمل سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کا ثبوت دیدیا۔ اور ایسی جامع مانع دعا کی جو اسم اعظم پر مشتمل تھی اور خدا تعالیٰ سے کوئی دنیاوی چیز نہیں مانگی بلکہ اس کی مغفرت اور رحم ہی مانگا۔ چنانچہ اس حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دعا پر ہنس پڑے اور فرمایا کہ اسم اعظم تیری دعا میں شامل تھا۔ پس جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان پر سبب الن کی کامل اتباع کے اللہ تعالیٰ نے خود بطور القاء کے وہ اسم جاری کر دیا جو ان کے مناسب حال تھا۔ تو کیسا نادان ہے

وہ شخص جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درجہ پر اس حدیث کے ذریعہ سے اعتراض کرتا ہے یہ حدیث تو آپ کے بلند درجہ اور اعلیٰ مقام پر دلالت کرتی ہے اور آپ کو جو محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اس پر شاہد ہے نہ کہ اس سے آپ کی شان کے خلاف کوئی استدلال ہوتا ہے۔

اسکے بعد آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی نفی کے ثبوت میں قول مستحسن کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ عمیر بن حوشب کی روایت ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین کے ساتھ چادر تطہیر میں داخل ہونے کی درخواست کی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرسے ہٹ جا۔ اس روایت کے متعلق مجھے اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ چادر تطہیر شیعہ محاورہ ہے۔ چادر تطہیر کا ثبوت قرآن کریم سے نہیں ملتا۔ قرآن کریم میں تو ایک وعدہ تطہیر بیان ہوا ہے اسکا کسی چادر کے ساتھ تعلق نہیں شیعیان علی نے نہیں کیونکہ وہ نیک اور پارسا لوگ تھے بلکہ بعض شیعیان نفسانیت نے اہل بیت کے معنی حقیقت سے پھیرنے کے لئے جو روایات گھڑی ہیں ان میں چادر تطہیر کا ذکر آتا ہے اور ان کی عبارتیں ہی بتاتی ہیں کہ ان سے محض اہل بیت نہیں بلکہ ان کی عقل پر پردہ ڈالنا مقصود ہے۔ قرآن کریم میں صریح طور پر یہودیوں کو اہل بیت کہا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ ہود میں ان رسولوں کے ذکر میں جو لوہ کی قوم کی ہلاکت کیلئے مبعوث ہوئے تھے حضرت سارہ کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی تھیں اہل بیت کہہ کر پکارا گیا ہے وہ لوگ حضرت سارہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں **التجیین من اموالہ رحمت اللہ وبرکاتہ علیکم اهل البیت انہ حمید مجید**۔ ہود ع۔ یعنی کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے فیصلہ پر تمہارے اہل بیت اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکات ہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بہت تعریف والا اور بڑی بزرگیوں کا مالک ہے۔ لیکن ان روایات میں صفات الفا میں یہودیوں کے اہل بیت ہونے سے انکار کیا گیا ہے۔ پس ان خلاف قرآن روایات کو کون مسلمان تسلیم کر سکتا ہے۔ یہ اقوال بنی کریم صلعم کے نہیں ہیں۔ بلکہ ان لوگوں کی

اقترا پر دازیاں ہیں جو باوجود سخت وعیدوں کے رسول کریم صلعم پر جھوٹ باندھنے سے نہیں جھجکتے تھے۔

مگر جھوٹ چھپ نہیں سکتا۔ اول تو قرآن کریم سے ہی انکی یہ روایات ٹکرا جاتی ہیں اور اسلئے قابل قبول نہیں۔ دوسرے خود آپس میں یہ روایتیں سخت ٹکراتی ہیں۔ مثلاً یہی واقعہ پندرہ سس راویوں سے مذکور ہے اور مختلف روایتوں میں اس قدر سخت اختلاف ہے کہ انہیں تطبیق کی کوئی صورت نہیں۔ حضرت ام سلمہؓ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ یہ آیت اُنکے گھر میں نازل ہوئی ہے حضرت عائشہؓ کی منسوب کیا گیا ہے کہ گویا اُنکا گھر نازل ہوئی ہے کسی روایت میں ہے کہ جس وقت آیت تطہیر اُتری تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنینؓ اور علیؓ کو ام سلمہ کے گھر میں بلا کر ان کو چادر میں داخل کیا۔ کسی میں ہے کہ آپ نے خود ان کے گھر میں جا کر ان کو ایک چادر میں جمع کر کے ان پر یہ آیت پڑھی۔ پھر کسی روایت میں ہے کہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ مجھے اس چادر میں داخل کرو اور اپنے داخل نہ کیا۔ اور کسی میں ہے کہ عمیر بن حوشب کہتے ہیں کہ عائشہؓ نے کہا تھا کہ مجھے داخل کرو اور اپنے داخل نہ کیا۔ اس اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کی محبت کا جھوٹا دعویٰ کر نبیوالوں نے وقتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے یہ روایات بنائی ہیں اسلئے دروغ گو را حافظہ نہ باشند کے اصل کے مطابق وہ اپنے بیان میں کوئی ماہہ الاشتراک پیدا نہیں کر سکے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ایک روایت میں تو یہ بیان ہوتا ہے کہ ام سلمہ نے کہا کہ میں نے خود چادر تطہیر میں داخل ہونا چاہا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ مگر عمیر بن حوشب کی روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ نے داخل ہونا چاہا مگر اجازت نہ ملی۔ کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں کہ ایک وصناع نے اگر حضرت ام سلمہؓ کی ہتک کرنی چاہی ہے۔ تو دوسرے نے حضرت عائشہؓ کی۔

علاوہ انہیں حضرت عائشہؓ کی جو حدیث مصنف ہفوات نے درج کی ہے اسے حضرت عائشہؓ کی ہرگز ہتک ثابت نہیں ہوتی بلکہ آپکی رفعت ثابت ہوتی ہے۔ ہاں مصنف ہفوات نے اپنے ترجمہ میں ہتک کا مضمون پیدا کرنے کی کوشش بے شک کی ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چادر تطہیر میں داخل ہونا چاہا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے لہجہ میں فرمایا چل دور ہو تو اپنے درجہ پر ٹھیک ہے۔ یہ ترجمہ خواہ ان کا بے یا قول مسخّن وایکا جس کے حوالہ سے انہوں نے یہ روایت نقل کی ہے بالکل غلط ہے۔ انہوں نے خود ہی الفاظ حدیث درج کئے ہیں جو یہ ہیں۔ قال تخره فانك خيبر۔ ان الفاظ میں غصہ سے کہا کے الفاظ ہرگز موجود نہیں ہیں۔ اور نہ چل دور ہو کے ہیں اور نہ یہ کہ تو اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ یہ تینوں باتیں اپنے پاس سے بنا کر داخل کر دی گئی ہیں۔ الفاظ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک طرف ہو جاؤ تم بہت ہی اچھی ہو جس کے اگر کوئی معنی نکل سکتے ہیں تو صرف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم میں تو پہلے سے ہی خیر موجود ہے۔ تمہیں چادر تطہیر میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ خواہ الفاظ کچھ ہوں۔ یہ احادیث بعض نام نہاد مجاہدان اہل بیت نے حقیقی اہل بیت کو بدنام کرنے کے لئے وضع کی ہیں۔

ابجگہ کسی کو شاید یہ شبہ گزرے کہ اس بیان سے تو معلوم ہوا کہ بعض احادیث جھوٹی بھی ہوتی ہیں پھر اعتبار کیا رہا؟ مگر یاد رہے کہ اس شبہ کا ازالہ میں پہلے کر آیا ہوں کہ باوجود بعض احادیث کے غلط ہونے کے حدیثوں پر اس حد تک اعتبار کیا جاسکتا ہے جس حد تک وہ اپنی ضرورت کو پورا کر رہی ہیں۔ اس سے زیادہ نہ ان پر اعتبار کیا جاسکتا ہے اور نہ انکی ضرورت ہے۔ اسلام کے اصول قرآن کریم اور سنت سے ثابت ہیں اور احادیث صرف سنت کی مؤید اور اسپر ایک تائیدی گواہ کے طور پر ہوتی ہیں۔ دوسرے امور کے متعلق وہ بحیثیت ایک معتبر تاریخ کے شاہد ہوتی ہیں۔ اور جس طرح معتبر سے معتبر تاریخ میں غلطیاں پائی جاتی ہیں لیکن اسکے فائدہ سے انکار نہیں ہو سکتا اسی طرح ان میں بھی غلطیاں پائی جاتی ہیں اور ان کے فائدہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ حدیث میں یہ خوبی ہے کہ اسکے جمع کرنے میں جو احتیاط برتی گئی ہے اسکے سبب سے یہ یورپ کی تاریخ کا تو ذکر ہی کیا ہے اسلام کی مدون شدہ تاریخوں سے بھی بعض حیثیتوں میں زیادہ معتبر ہے اور اس میں جھوٹ کا معلوم کر لینا آسان ہے۔

اگر کہا جائے کہ پھر مصنف ہفوات میں اور ہم میں اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے
 یہی بعض احادیث کو ہی جھوٹا قرار دیا ہے اور ہم نے بھی تسلیم کر لیا کہ بعض احادیث جھوٹی ہو سکتی
 ہیں بلکہ جھوٹی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم میں اور مصنف ہفوات میں بہت بڑا فرق
 ہے۔ اول یہ کہ انہوں نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ بعض احادیث کے غلط ہونے سے کتب
 احادیث کا ہی اعتبار اٹھ جاتا ہے اور یہ بات جیسا کہ میں ثابت کر چکا ہوں بالبداهت
 باطل ہے۔ دوم یہ کہ انہوں نے بعض احادیث پر اعتراض کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ ان
 کتب کے مصنفین جن میں وہ احادیث پائی جاتی ہیں جھوٹے اور فریبی اور دشمن اسلام تھے
 اور ان کی کتب کا اعتبار کر کے دوسرے مسلمان بھی ان کے ہم نوا ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں
 ثابت کر چکا ہوں یہ بات غلط ہے بہت سی حدیثیں جنکو ہم غلط سمجھتے ہیں ان کو غلط سمجھتی
 ہوئے ہی محدثین نے اپنی کتب میں درج کیا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کی کتب
 میں اعداد و مطالب کی احادیث ایک ہی جگہ جمع نظر آتی ہیں۔ انہوں نے تحقیق کا ایک
 معیار مقرر کیا ہے اور اس معیار کے مطابق جو حدیث ان کو ملی ہے خواہ بعض دوسرے
 طریقوں سے اسکی کمزوری ہی ثابت ہوتی ہو انہوں نے اسکو اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے
 اور یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا باستثناء ایک دو کتب احادیث کے کہ ہر ایک حدیث جو کسی حدیث
 کی کتاب میں پائی جاتی ہے اس کا مؤلف اسے ضرور صحیح ہی تسلیم کرتا تھا۔ وہ صرف خیال
 کرتا تھا کہ میرے مقرر کردہ معیار کے چونکہ یہ حدیث مطابقتی آتی ہے مجھ پر دیا ستداری سے
 اس کا لکھ دینا فرض ہے اور بس۔ پس باوجود بعض کمزور یا وضعی احادیث کے پائے
 جانے کے کتب احادیث کے اکثر مصنفین کے درجہ اور اتقاء میں فرق نہیں آتا۔ ان
 میں سے بعض اپنے اپنے زمانہ کے لئے رکن اسلام تھے اور اولیاء اللہ ہیں تھے اور ان کو گایا
 دینے والا خود تقویٰ اور طہارت سے بے بہرہ ہے۔ اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ
 بعض احادیث انہوں نے صحیح سمجھ کر لکھیں۔ لیکن وہ صحیح نہ تھیں۔ اور بعض احادیث
 کے متعلق یہ سمجھ لینا بالکل خرب قیاس ہے بلکہ قیاس کا غالب پہلو اسی طرف ہے تو بھی
 چند ایک غلطیوں سے بشرطیکہ وہ غلطیاں سہو و خطا کی حد میں ہوں اور مثرارت کا نتیجہ

نہ ہوں ایک شخص کے نہایت مفید کام اور عمر بھر کی قربانی کی تحقیر نہیں کیجا سکتی۔
 سوم یہ فرق ہے کہ مصنف ہفتوات کی غرض یہ نہیں ہے کہ بعض غلط اور کمزور احادیث
 کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائیں۔ بلکہ ان کی غرض اس پر وہ ہیں ائمہ اسلام اور اہل بیت
 میں سے پہلے مخاطبین کی ہمت کرنا ہے اور وہ صحیح احادیث کو جان بوجھ کر اپنے اصل
 مطلب سے پھر کر دوسرا رنگ چڑھا کر پیش کرتے ہیں تا اہل سنت والجماعت پر بزم خود کو بھتی
 اور ایسے اور ان کی تصنیف کریں اور ان کی غرض کسی غلطی کی اصلاح نہیں ہے بلکہ
 غلطیاں پیدا کر کے ان کی آنکھوں میں لوگوں کو پھنسانا ہے۔ چنانچہ اکثر احادیث سے جو انہوں
 منتخب کی ہیں بالکل صاف اور واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ صرف بغض اور تعصب کی وجہ
 سے انہوں نے ان کو اپنے اصل مطلب سے پھر کر ائمہ حدیث اور ازواج مطہرات اور
 صحابہ کرام کو گالیاں دینے کا ایک ذریعہ پیدا کیا ہے۔

چہارم یہ فرق ہے کہ ان کا خیال ہے کہ صرف کتب اہل سنت میں اس قسم کی غلط دریا
 داخل ہو گئی ہیں حالانکہ شیعہ کتب بھی اہل قسم کی احادیث سے بھری پڑی ہیں بلکہ اہل سنت
 کی کتب سی بہت زیادہ کمزور اور وضعی احادیث ان میں موجود پائی جاتی ہیں۔
 غرض باوجود بعض احادیث کو غلط ماننے کے ہمارے اور مصنف ہفتوات کے خیالات
 ایک نہیں بلکہ دونوں خیالات میں بعد المشرقین ہے اور ایک خیال اسلام کو اس کی
 اصل شکل میں دینا کے سامنے لاتا ہے تو دوسرا اس کو دشمنان اسلام کی نظر دلالت ہے
 مکروہ اور بھیانک کر کے دکھاتا ہے۔

TON LIBRARY
ALGARH.

بہتان اقدام زنا و طیبی مرتد

مصنف ہفتوات نے ایک الزام ائمہ حدیث پر یہ لگایا ہے کہ انہوں نے رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک حسین عورت کے طلب کرنے کا الزام لگایا ہے اور اس کے
 بعد ایک اور الزام یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے نفوذ باللہ من ذلک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 پر اقدام زنا کا بھی الزام لگایا ہے۔ اور پہلی بات کی تصدیق کے لئے بخاری کی ایک حدیث

جس کے راوی سہل بن سعد ہیں اور جو کتاب الاثر بہ کے باب الشرب من قدح النبی
صلی اللہ علیہ وسلم میں درج ہے۔ لکھی ہے اور دوسرے الزام کی تصدیق کے لئے بخاری
کی ایک اور روایت جو ابوسعید سے مروی ہے اور کتاب الطلاق میں درج ہے بیان کی ہو
گو مصنف ہفوات نے یہ اعتراض الگ الگ ہیڈنگوں کے نیچے اور الگ روایتوں
کی سند سے لکھے ہیں۔ لیکن میں انکا جواب اکٹھا ہی دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ان کو الگ الگ
اعتراض مصنف ہفوات کی بوالہوسی نے بنا دیا ہے ورنہ یہ دونوں اعتراض ایک ہی ہیں
اور یہ دونوں روایتیں ایک ہی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں اور ان کو الگ الگ
واقعات سمجھنا یا تو مصنف ہفوات بڑے ہی بے بغض پیر لالت کرتا ہو جسکی وجہ کو کسی بات سمجھنے سے بالکل
ہٹوٹے ہیں اور یا اسپیشل ہے کہ وہ علم حدیث سے بالکل کورے ہیں اور صرف کتابیں کھول کر نقل کر دینے کی
عادت رکھتے ہیں اور اس نقل میں بھی عقل سے کام نہیں لے سکتے۔ جن لوگوں نے کوئی ایک
کتاب بھی حدیث کی پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک واقعہ کو کئی کئی آدمیوں نے بیان
کیا ہے اور ان مختلف لوگوں کی روایت کی وجہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ واقعہ دو ہیں۔ اگر ایک
واقعہ کو سو آدمی دیکھ کر اپنے اپنے دوستوں کے سامنے بیان کریں تو وہ سو واقعات نہیں
ہو جاتے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ ان دو حدیثوں میں ایک ہی واقعہ دو راویوں کی زبانی سے
بیان ہے۔ اور جیسا کہ میں آگے ثابت کر دینگا یہ ایسی ثابت شدہ بات تھی کہ مصنف
صاحب ہفوات اگر علم حدیث سے محض نابلا اور جاہل آدمی نہیں ہیں تو ان کو اس کا علم
ہونا چاہئے تھا۔ اور اگر ان کو اس کا علم تھا تو اس صورت میں صرف یہی سمجھا جاسکتا
ہے کہ اعتراضوں کی تعداد بڑانے کے لئے انہوں نے ایک واقعہ کو دو بنا دیا ہے۔

جن حدیثوں پر مصنف ہفوات نے اعتراض کیا ہے اور جو اعتراض ان پر کئے ہیں
ان کو بیان کر کے میں بتانا ہوں کہ انہوں نے کس جہالت یا دھوکا دہی کا ثبوت دیا ہو
پہلی حدیث وہ یہ لکھتے ہیں۔ عن سہل بن سعد قال ذکر النبی صلعم امراً من
العرب فامرہا باسعید الساعدی ان یرسل الیہا فارساً فقدمت فخرزلت
فی اجم بنی ساعدہ فخرج النبی صلعم حتی جاءھا فدخل علیہا۔ الخ میں

مضمون کو سمجھانے کے لئے جو حصہ حدیث کا مصنف ہفتوات نے چھوڑ دیا ہے اس کو بھی لکھ دیتا ہوں۔ آگے لکھا ہے فاذا امرت منکسۃ رأسها فلما کلہا البنی صلعم قالت اعود باللہ منک فقال قد اعدتک منی فقالوا لہا انتدین من ہذا قالت لا قالوا ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاء لیخطبک قالت کنت انا الشقیۃ من ذلک۔ کتاب الاشریہ۔ ترجمہ۔ سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرب کی ایک عورت کا ذکر کیا گیا پس آپ نے ابو سعید الساعدی کو حکم فرمایا کہ اسکو بلوایہیجے۔ انہوں نے بلوایہیجا۔ جب وہ آئی تو بنو ساعدہ کے قلعے میں اتری اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف تشریف لیگئے۔ جب وہاں پہونچے اور اسکے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت سر جھکائے بیٹھی ہے۔ جب آپ نے اس سے کلام کیا تو اسنے کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھے اپنے سے پناہ دی۔ اسپر لوگوں نے اس سے کہا کیا تو جانتی ہے یہ شخص کون تھا؟ اسنے کہا نہیں انہوں نے کہا یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو تجھ سے نکاح کی درخواست کرنے آئے تھے۔ اسنے کہا میرے جیسی بد بخت آپکے لائق کہاں۔

کیا کوئی شخص ساری حدیث کو پڑھ کر کہہ سکتا ہے کہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کوئی الزام لگایا گیا ہے۔ اگر اس حدیث سے کوئی استدلال کیا جا سکتا ہے تو صرف یہ کہ آپ ایک عورت کے پاس گئے اور اسے نکاح کا پیغام دیا۔ لیکن اس بد بخت نے کسی کے سکھانے سے یا اپنے نفس کی شرارت سے نہ صرف نکاح سے انکار کیا بلکہ نہایت برے لفظوں میں انکار کیا اور اسپر آپ بلا کچھ کہے واپس تشریف لے آئے کیونکہ شرعاً عورت کا حق ہے کہ وہ اپنی رضا مندی سے نکاح کرے کوئی اسے کسی خاص جگہ نکاح کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا (میں آگے چل کر بتاؤں گا کہ فی الواقع یہ استدلال بھی درست نہیں کیونکہ اس عورت سے آپکی شادی ہو چکی تھی) اور پھر اگر اس حدیث سے کچھ معلوم ہوتا ہے تو یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بادشاہوں سے بالکل مختلف تھا۔ ان کی خواہش کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ

کے احکام کی پیروی میں اس امر کی بالکل پرواہ نہیں فرماتے تھے کہ کوئی شخص آپ کی نسبت
ہنسک آمیز الفاظ کہہ دے۔

یہ ٹکڑہ حدیث کا کس طرح وضاحت سے بتا دیتا ہے کہ مصنف ہفوات کی نیت نیک
نہیں بلکہ بد ہے کیونکہ وہ اتنا تو بیان کر دیتا ہے کہ ایک عورت کا ذکر کیا گیا اور آپ نے اسکو
بلوایا اور اسکے پاس تشریف لیگئے لیکن اس کا اگلا حصہ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ
ایک جماعت سمیت اسکے پاس گئے تھے اور یہ کہ آپ اسکو بخاخ کا پیغام دینے گئے تھے اسکو
اس نے بالکل چھوڑ دیا تاکہ یہ سمجھا جائے کہ حدیث کا یہ مطلب ہے کہ آپ کسی بد بیتی سے
گئے تھے بلکہ اس قدر دلیری سے کام لیا ہے کہ اس اعتراض کو الفاظ میں بھی بیان کر دیا
ہے۔ یورپ کے لوگ بھی اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ مگر میں نے ایسی بے حیائی ان کی
طرف سے بھی نہیں دیکھی کہ اس قدر صریح امر کو آدھا بیان کر کے انہوں نے اس پر اعتراض
جمائے ہوں۔ شاید یہ مصرع کہ 'چہ دلا و رست دزدے کہ بکف چراغ دارد' مصنف
ہفوات کی قسم کے لوگوں کو بھی مد نظر رکھ کر کہا گیا ہے۔

گویہ حدیث ہی مصنف ہفوات کے اعتراض کو رد کرتی ہے اور اسی وجہ سے
انہوں نے پچھلے حصہ کو اڑا دیا ہے تاکہ ان کے اعتراض کا پول نہ کھل جائے۔ لیکن
میں ابھی اور دلائل سے ثابت کر دوں گا کہ مصنف ہفوات نے جان بوجھ کر اس واقعہ کو بگاڑ
کر پیش کیا ہے اور ائمہ حدیث پر مبالغہ صاف کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی عزت اور احترام کا بھی باپس نہیں کیا۔

دوسری حدیث جس کو مصنف ہفوات نے الگ واقع کے طور پر پیش کیا ہے اور
جو درحقیقت اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ ہے۔ عن ابی اسید رضی اللہ عنہ قال
خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی انطلقنا الی حائط یقال له الشوط حتی
انتمینا الی حائطین فجلسنا بینہما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجلسوا ہذا ہنا
ودخل وقد اوتی بالجورنیۃ فاشرکت فی بیت فی فخل فی بیت أمیۃ بنت النعمان
بن شراحیل ومعهما دایتہا حاضنۃ لہا فلما دخل علیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال هي نفسك لي قالت وهل تهب الملكة نفسها للسوقة قال فاهوى
 بيده يضع يده عليها لتسكن فقالت اعوذ بالله منك فقال قد عذت بمعاذ
 ثم خرج علينا فقال يا ابا اسيد اكسها رازقتين والحقها باهلها - بخاری
 کتاب الطلاق - (ترجمہ) ابو اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا
 کہ ہم ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بچے اور ایک باغ کا رخ کیا جسے
 شوط کہتے ہیں۔ جب ہم دو باغوں کے درمیان پہنچے تو ان کے درمیان میں بیٹھ گئے
 اپنے فرمایا یہاں بیٹھ رہو آپ باغ کے اندر داخل ہوئے اور اس جگہ جو نیہ پہلے سے ایک
 گھر میں جو کھجوروں کے درختوں میں تھا لا کر رکھی گئی تھی آپ داخل ہوئے ایمنہ بنت
 نعمان بنت شراحیل کے گھر میں (یہ جو نیہ کا ہی نام ہے جو نیہ اسکے قبیلہ کی نسبت کی
 وجہ سے اسکو کہا جاتا تھا) اور اسکے ساتھ اس کی دایہ یعنی کھلائی تھی پس جب رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ اپنے نفس کو مجھے ہمہ کر دے تو اسنے جواب دیا کہ کیا
 ملکہ اپنے آپ کو عام آدمیوں کے سپرد کرتی ہے۔ ابو اسید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا
 کہ اسپر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی طرف ہاتھ بڑھایا تا اسپر اپنا ہاتھ رکھیں اور
 اسکا دل تسکین پائے۔ اسپر اسنے کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس بات
 کو سنکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اس کی پناہ مانگی ہے جو بڑا پناہ -
 دینے والا ہے۔ پھر آپ باہر ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے ابا اسید اسکو
 دو چادریں دیدو اور اسکے گھر والوں کے پاس اسے پہنچا دو۔

اس حدیث کو نقل کر کے مصنف ہنفوات نے یہ اعتراض کئے ہیں۔ (۱) اس حدیث
 میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اقدام زنا کا الزام لگایا گیا ہے (۲) زن اجنبیہ پر
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا (۳) محصنہ اجنبیہ (یعنی اجنبی بن بیابھی
 عورت) نے دہائی دیکر اپنا پیچھا چھوڑ دیا۔

مگر ان اعتراضات پر ہی آپ کی تسلی نہیں ہوئی ایک آریہ رام سنگھ نے اسے کئی
 ربانی ایک لمبا طویرا اعتراضات کیا اس حدیث پر لکھ مارا ہے یعنی (۱) ایک عورت کو

بستی سے الگ آبادی سے دور باغ میں بلوایا گیا (۲) اسکو بلا پیسے ٹکے قبضہ میں لانا چاہا (۳) اسکو یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ آپ ہیں کون (۴) جب اس عورت نے انکار کیا تو اس کی طرف زبردستی کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا گیا (۵) پھر اس بے حجابانہ ملاقات کے صلہ میں اس عورت کو بیت المال میں سے معاوضہ دیا گیا۔

آریہ بچارہ کا تو نام پردہ ڈالنے کیلئے دیا گیا ہے درحقیقت یہ اعتراضات بھی خود مصنف ہفوات کی طرف سے ہی ہیں۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ اس عقل و دانش اور علم و فہم پر آپ کو کتاب لکھنے اور پھر اثمہ اسلام کے منہ آنے کی کیا سوچھی تھی۔ اس حدیث میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے ظاہر ہو کہ جو نیکو شہر سے باہر ویرانہ میں بلایا گیا تھا یا یہ کہ وہ زنی اجنبیہ تھی یا یہ کہ اس بے زبردستی کی گئی یا یہ کہ اسے بیت المال سے روپیہ دیا گیا تھا۔ بلکہ اسکے برخلاف الفاظ حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آباد جگہ بلکہ چوراہے پر اتاری گئی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت مسلمین سمیت اسکے گھر تشریف لیگئے تھے۔ خود اسکے ساتھ بھی ایک دایہ تھی۔ اپنے اسکے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی بلکہ حدیث کے لفظ صاف ہیں کہ اسکی تسلی کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسپر ہاتھ رکھنا چاہا۔ کیا زبردستی ہاتھ ڈالنے سے دوسرے انسان کی تسلی ہو کر کرتی ہے؟ اس حدیث سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اسکو معلوم نہ تھا کہ آپ کوئی نہیں کیونکہ اس حدیث میں اس قسم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح بیت المال سے اسکو کسی رقم کے دیئے جانے کا کوئی ذکر نہیں۔ ایک صحابی کو کہا گیا ہے کہ وہ اسکو دو کپڑے دیدے اور اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ بیت المال سے دیدے بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے کپڑے دینے کو کہا گیا ہے۔ خواہ یہ سمجھ لیا جائے کہ اس صحابی کے پاس آپ کا کچھ مال ہو گا خواہ یہ کہ اس سے اپنے قرض لیکر یہ کپڑے دلوائے۔ تیاریج اس امر پر شاہد ہے کہ آپ بیت المال مسلمانان سے کوئی رقم اپنے ذاتی اخراجات کیلئے نہیں لیتے تھے پھر اس ثابت شدہ حقیقت کے خلاف کوئی نتیجہ کس طرح نکال سکتا

مصنف ہنفوات کا بغض اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اس حدیث کے اس حصہ کا ترجمہ جس میں جوئیہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے اسنے یوں کیا ہے۔ ”پس آنحضرت نے اوس کی طرف ہاتھ بڑھایا (یعنی زبردستی کرنی چاہی) تاکہ اسے تسکین ہو“ صفحہ ۴۔ اس ترجمہ کو دیکھ کر ہی ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ مصنف ہنفوات اس کتاب کی تصنیف کے وقت جوش و غلبہ اندھے ہو رہے تھے۔ کیونکہ ایک طرف تو آپ حدیث کے لفظوں کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ہاتھ بڑھایا تا اس عورت کو تسکین ہو۔ اور دوسری طرف خطوط و حدانی میں نوٹ کرتے ہیں ”یعنی زبردستی کرنی چاہی“ اور یہ جملہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ فلاں شخص کو اسنے مارنا چاہا تا اسکے دل سے ڈر نکل جائے۔ فلاں شخص کی اسنے زبردیا تا وہ بچ جائے۔ اگر آپنے اس عورت کی تسکین کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا تو اس سے زبردستی کرنیکا مفہوم کیونکر نکل آیا؟

غرض حدیث کے الفاظ اس مفہوم کو بہ صراحت رد کر رہے ہیں جو مصنف ہنفوات نے حدیث سے اخذ کیا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ صراحت اس حدیث کے سیاق و سباق سے ہو جاتی ہے اور کم سے کم ائمہ حدیث ہر ایک اعتراض سے محفوظ ہو چکے ہیں۔ اس حدیث کا جو مفہوم امام بخاری نے سمجھا ہے اور اس عورت کا تعلق انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیال کیا ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث انہوں نے اس مسئلہ کے ثبوت میں بخاری کی ہے کہ کیا طلاق دینی اور خصوصاً عورت کے منہ پر طلاق دینی درست ہے چنانچہ وہ اس حدیث کو اس باب میں بیان کرتے ہیں ”باب من طلق وھل یواجمہ الرجل امرأۃ بالطلاق“ یہ عنوان ظاہر کرتا ہے کہ امام بخاری جوئیہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منکوحہ بیوی خیال کرتے ہیں اور آپ کے اس قول کو کہ تو نے اس کی پناہ مانگی ہے جو پناہ دینے والا ہے، طلاق قرار دیکر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ضرورت کے وقت طلاق عورت کے منہ پر بھی دی جا سکتی ہے اور یہ بد اخلاقی نہیں کہلائیگی۔ اگر جوئیہ امام بخاری کے نزدیک زن اجنبی تھی اور اگر اسکا انکار حفاظت عصمت کیلئے تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

واپس آجانا فضیحت کے خوف سے تھا (نعوذ باللہ من ذلک) تو اس سے یہ کیونکہ ثابت ہو گیا کہ عورت کو اسکے منہ پر طلاق دی جاسکتی ہے پس باوجود اس کے کہ امام بخاری اس حدیث سے یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو نہ اپنی منکوحہ بیوی تھی اور اسکے گستاخی آمیز کلام کی وجہ سے اپنے اسکو طلاق دیدی تھی یہ نتیجہ نکالنا کہ محدثین نے آپ پر اقدام زنا کی تہمت لگائی ہے کہانتک درست ہے۔ کیا مصنف ہفوات کے نزدیک ایک خاوند کا اپنی بیوی کے پاس جانا زنا ہے اور کیا اسی معیار پر وہ اپنی اور اپنے آبا کی نسل کو پرکھا کرتے ہیں۔

یہ تو اس حدیث کا سیاق ہے۔ سیاق بھی اس سے کم واضح نہیں۔ اس حدیث کے بعد جو مصنف ہفوات نے بیان کی ہے دوسری حدیث جو اسی راوی کی بیان کردہ ہے جس نے پہلی روایت بیان کی ہے یہ ہے۔ عن سهل بن سعد و ابی اسید قال لا تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم امیۃ بنت مشراحیل فلما ادخلت علیہ بسط

لہ ہفوات کے نئے ایڈیشن میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے جواب کا ذکر کرتے ہوئے جو انہوں نے اس اعتراض کے متعلق اپنے اخبار میں شائع کیا ہے مصنف صاحب ہفوات لکھتے ہیں کہ باب الطلاق کے نیچے اس حدیث کا درج کرنا اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ جو نہ کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو چکا تھا کیونکہ امام بخاری باب وحدیث کی مطابقت کی پابندی نہیں کیا کرتے اول تو ان کا یہ دعویٰ باطل ہے۔ امام بخاری پابندی کرتے ہیں مگر انہوں نے کتاب سمجھاروں کے لئے لکھی ہے جہاں کیلئے نہیں لکھی سیلئے بعض جہلا کو جو حقیقت شناسی کی قابلیت نہیں رکھتے باب وحدیث میں موافقت نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر یہ کوئی اعتراض ہو تو امام بخاری ہی اس کا نشانہ ہیں ہیں شیعوں کی سب سے معتبر کتاب کافی بھی اس مستثنائے میں ہے چنانچہ فروغ کافی جلد اول میں صلوٰۃ فاطمہ کا باب باتدھکر نیچے جو احادیث لکھی ہیں ان میں حضرت فاطمہ کی نماز کا کوئی ذکر نہیں پس اس اصل کے تحت اگر بعض بابوں کا احادیث سے جہلاء کو تعلق نظر نہ آئے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ باب سے حدیث کے مفہوم کا استدلال درست نہیں تمام کافی غیر معتبر ٹھہرے گی۔

یہاں الیہا فکا نہا کرھت ذلک فامر ابا اسید ان یجھزها ویکسوہا ثوبین رازقین۔ ترجمہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا جب وہ آپ کے پاس لائی گئی اور آپ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے ایسا ظاہر کیا گویا وہ اسکو ناپسند کرتی ہے۔ پس آپ نے ابا اسید کو حکم دیا ہے کہ اسے واپس اسکے وطن پہنچا دے اور دو رازقی چادریں اسکو دیدے یہ حدیث جیسا کہ اوپر آچکا ہے انہی ابو اسید کی بیٹی کردہ ہے جنہوں نے پہلی حدیث بیان کی ہے اور یہی ہیں جنکو کپڑے دینے کا حکم ملا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ وہ عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منکوحہ تھی۔

اس سیاق و سباق کی موجودگی میں مصنف ہفوات کا جوئیہ کو ایک اجنبی عورت قرار دیکر اور ایک سرتاپا جھوٹا قصہ بنا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر گندے سے گندے اعتراضات کرنا خواہ وہ اعتراضات بظاہر ائمہ حدیث کا نام لیکر ہی کیوں نہ کئے جائیں۔ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو اسلام اور بانی اسلام سے محبت نہیں بلکہ عداوت ہے اور یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر حقیقت کو چھپایا ہے نہ کہ نادانی سے واقعات کو نظر انداز کیا ہے۔

میرے نزدیک مصنف ہفوات کے اعتراض کی حقیقت پوری طرح تباہی نقاب ہوگی جب میں جوئیہ کا تمام واقعہ تاریخ سے بیان کر دوں۔ طبری۔ ابن سعد اور ابن حجر جیسے زبردست مؤرخین کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماء یا ایمہ اسکے نام میں اختلاف ہے (مگر میرے نزدیک ہو سکتا ہے کہ اسکے دو نام ہوں۔ ایسا بہت دفعہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کے دو نام ہوتے ہیں یا تو مختلف رشتہ دار مختلف نام رکھ دیتے ہیں یا جن لوگ خود ہی بڑی عمر میں اپنے بچے ایک اور نام پسند کر لیتے ہیں اور لوگوں میں وہ ان مختلف ناموں کی وجہ سے مشہور ہو جاتے ہیں) کندہ قبیلہ سے تھی اور اس نسبت سے کندہ کہلاتی تھی۔ اسکے والد کا نام اسود ابوالجون تھا۔ اس وجہ سے وہ جوئیہ یا بنت ابوالجون کہلاتی تھی بعض روایات میں اسکو اسود کی پوتی اور نعمان کی بیٹی لکھا ہے۔ لیکن یہ اختلاف بے حقیقت اور اصل مطلب سے بے تعلق ہے جب عرب فتح ہوا اور اسلام پھیلنے لگا

تو اس کا بھائی نعمان یا بموجب بعض روایات کے اس کا والد نعمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے بطور فخر کے حاضر ہوا اور اس موقع پر اس پر بھی خواہش ظاہر کی کہ اپنی ہمشیرہ کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دے اور بالمشافہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست بھی کر دی کہ ہمیری ہمشیرہ جو پہلے اپنے ایک رشتہ دار سے بیاہی ہوئی تھی اور اب بیوہ ہے نہایت خوبصورت اور لائق ہے آپ اس سے شادی کر لیں۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبائل عرب کا اتحاد منظور تھا اپنے اس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اور فرمایا کہ ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی پر نکاح پڑھ دیا جائے۔ اسنے کہا کہ یہاں رسول اللہ ہم معزز لوگ ہیں ہر تھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے زیادہ مینے کسی بیوی یا لڑکی کا ہر نہیں باندھا۔ جب اسنے رضامندی کا اظہار کیا نکاح پڑھا گیا اور اسنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کسی آدمی کو بھیج کر اپنی بیوی کو مشکوٰۃ لیجئے۔ آپنے ابا اسید رضی کو اس کام پر مقرر کیا وہ تشریف لیگئے۔ جو مینے ان کو اپنے گھر میں بلایا تو اپنے گھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں پر حجاب نازل ہو چکا ہے۔ اس نے اسپر دوسری ضروری ہدایات دریافت کیں۔ آپنے بتادیں اور اونٹ پر بٹھا کر مدینہ لائے اور ایک مکان میں جس کے گرد کھجوروں کے خیت بھی تھے لا کر اتارا۔ اسکے ساتھ اس کی دایہ بھی اسکے رشتہ داروں نے روانہ کی تھی جس طرح کہ ہمارے ملک میں ایک بے تکلف نوکر ساتھ کیجاتی ہے تاکسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ چونکہ یہ عورت حسین مشہور تھی ادویوں بھی عورتوں کو دہن کے دیکھنے کا شوق تھا مدینہ کی عورتیں اس کو دیکھنے گئیں اور اس عورت کے اپنے بیان کے مطابق کسی عورت نے اسکو سکھا دیا کہ رعب پہلے دن ہی ڈالا جاتا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیرے پاس آئیں تو تو کہہ دیجیو کہ میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس پر وہ تیرے زیادہ گرویدہ ہو جائینگے۔ اگر یہ بات اس عورت کی بنائی ہوئی نہیں تو کچھ تعجب نہیں کہ کسی منافق نے اپنی بیوی یا اور کسی رشتہ دار کے ذریعہ یہ شرارت کی ہو۔ غرض جب اس کی آمد کی اطلاع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی

آپ اس گھر کو تشریف لیگئے جو اس کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اور اس کو اپنے پاس بیٹھنے کے لئے کہا۔ اسنے اس پر کراہت کا اظہار کیا۔ آپنے اس خیال سے کہ جنیبت کی وجہ سے گھر رہی ہے تسکین اور تسلی دینے کیلئے اس پر ہاتھ رکھا جس پر اس نے وہ نامعقول فقرہ کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پندہ مانگتی ہوں۔ چونکہ نبی خدا کا نام شکر ادب کی روح سے بھر جاتا ہے اور اس کی عظمت کا متوالا ہوتا ہے اسکے اس فقرہ پر آپنے اسے کہدیا کہ تولنے بڑے کا واسطہ دیا ہے۔ میں تیری درخواست کو قبول کرتا ہوں اور اسے طلاق دیکر رخصت کر دیا اور ابواسیدؓ کو پھر اس کام پر مقرر کر دیا کہ اسے اس کے گھر واپس کرائیں۔ اور علاوہ ہر کے حصہ کے دوران چادریں بھی اسکو دینے کا حکم دیا تاکہ قرآن کریم کا حکم ولا تنسوا الفضل بینکم۔ بقہ ۳۱ پورا ہو جو ایسی عورتوں کے متعلق ہے جن کو بلا صحبت طلاق دیدی جائے۔ جب آپنے اس کو رخصت کر دیا تو ابواسیدؓ اسکو اسکے گھر پہنچا آئے۔ اسکے قہیلہ کے لوگوں پر یہ بات نہایت شاق گزری اور انہوں نے اس کو ملامت کی مگر وہ یہی جواب دیتی رہی کہ یہ میری بند بختی ہے اور بعض دفعہ اسنے یہ کہدیا کہ مجھے دھوکا دیا گیا مجھے کسی نے سکھا دیا تھا کہ تو اس طرح کہیو اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تیری طرف خاص طور سے مائل ہو جائیگا۔ یہ ہے اصل واقعہ جو تالیخون اور احادیث میں مفصل موجود ہے۔ اس موجودگی میں مصنف ہنفوات کا احادیث بخاری پر یہ اعتراض کرنا کہ ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زنا کی تہمت لگائی گئی ہے۔ اور اس اعتراض کو زور دار بنانے کے لئے ایک آریہ صاحب کو بھی اپنی مدد کے لئے لانا مصنف ہنفوات کے جن اندرونی جذبات پر دلالت کرتا ہے انکا اندازہ لگانا میں حق پسند لوگوں پر بھی چھوڑتا ہوں۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ جو واقعہ احادیث میں مذکور ہے اس کی بنا پر نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کسی قسم کا اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ اسکے بیان کرنے پر محدثین پر کوئی حرف گیری کی جاسکتی ہے۔ بلکہ اس واقعہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی مندرجہ ذیل خوبیاں نمایاں طور پر ظاہر

ہوتی ہیں۔ (۱) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عربوں کی اصلاح کی خاطر ان کے جذبات کے خیال رکھنے کا خاص طور پر احساس تھا۔ (۲) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اخلاق ایسے اعلیٰ درجہ کے تھے کہ آپ اپنی بیویوں سے بھی جو تمام قوانین تمدن کے ماتحت خاوند کے زیر حکومت سمجھی جاتی ہیں ایسے رنگ میں کلام کرتے تھے جو نہایت مؤدب ہوتا تھا اور جسے سنکر انسان خیال کر سکتا ہے کہ گویا کسی نہایت قابل ادب وجود سے آپ کلام کر رہے تھے۔

(۳) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نکاح میں عورت کی رضامندی کا اس قدر خیال تھا کہ نکاح کے بعد اس خیال سے کہ شاید عورت کی رضامندی حاصل نہ کی گئی ہو آپ نے جو نیکوئی سے کہا کہ ہبی لفسک لی اپنا آپ میرے سونپ دے یعنی نکاح پر رضا ظاہر کر۔

(۴) اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نہایت اشتعال انگیز باتوں پر بھی خندہ پیشانی سے صبر کر جاتے تھے۔

(۵) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خشیت اللہ آپ کے دل میں اس قدر تھی کہ خدا تعالیٰ کا نام آنے پر آپ حتی المقدور اپنے حقوق کے چھوڑ دینے پر بھی تیار ہو جاتے تھے۔ (۶) اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان لوگوں سے بھی حسن سلوک کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے جو آپ کے لئے ایذا اور تکلیف کا موجب بنتے تھے۔

غرض بجائے اسکے کہ اس واقعہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کوئی ادلتے سے ادلتے اعتراض بھی پڑتا ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اخلاق حسنہ کا ایک بینظیر نمونہ تھے۔

پیشتر اسکے کہ میں اس اعتراض کا جواب ختم کروں میں ان استدلالات پر بھی روشنی ڈالنا پسند کرتا ہوں جو میرے اوپر کے بیان کے خلاف بخاری کی نقل کردہ احادیث سے دشمن کر سکتا ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ حدیث میں جو یہ لفظ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس ایک عورت کا ذکر کیا گیا اور آپ نے اُسکو بلوایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اس سے نکاح نہیں ہوا تھا۔ مگر یہ اعتراض درست نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اس عورت کے متعلق جبکہ تاریخ اور حدیث سے ثابت ہے کہ اسکے باپ یا بھائی نے خود اسکا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیا ہے اور نکاح کی درخواست کی ہے اور ہر مقرر کیا ہے اور نکاح پڑھا گیا ہے بلکہ اس عورت کے واقع سے فقہاء یہ استدلال کرتے چلے آئے ہیں کہ عورت کے منہ پر اسے ضرورتاً طلاق دینی جائز ہے۔ تو پھر ان الفاظ سے یہ کیونکر نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اسکا نکاح نہیں ہوا تھا۔ اس حدیث سے تو صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چونکہ اس جگہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کٹورے کا اصل حدیث اس بارے میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کٹورے میں ایک صحابی نے ایک اپنے دوست کو پانی پلایا ہے (ذکر کرنا مقصود تھا نکاح کے ذکر کو مختصر کر دیا ہے۔ چنانچہ طلاق کے ذکر میں یہی راوی اس واقعہ کا بیان کرتے ہوئے بیان کرتا ہے۔ تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم امیۃ بنت شراحیل (بخاری باب الطلاق) یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جو بیہ عورت سے نکاح کیا تھا۔

• دوسرا استدلال یہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ لفظ استعمال فرمائے ہیں کہ اپنا نفس مجھے دے۔ تو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح نہیں ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ اس امر پر دلالت نہیں کرتے کہ نکاح نہیں ہوا تھا بلکہ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قومی شرف کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اخلاق فاضلہ سے کام لیتے ہوئے یہ الفاظ اسے پاس بلانے کے لئے استعمال فرمائے ہیں اور اس قسم کے الفاظ میں جیسے ایک میزبان دسترخوان پر سے کسی چیز کے اٹھا کر دینے کے لئے جہان سے کہہ دے کہ فلاں چیز مجھے عنایت فرمائیے۔ اسکے یہ معنی ہرگز نہیں ہوں گے کہ وہ جہان کی تھی اور اس سے میزبان سوال کرتا ہے۔ غرض اپنا آپ مجھ عطا کر کے صرف یہ معنی ہیں

کہ میرے قریب ہو کر بیٹھ نہ کہ درخواست نکاح۔

دوسرا جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ چونکہ جس وقت نکاح ہوا ہے اس وقت یہ عورت مدینہ میں موجود نہ تھی اسلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ عورت کی رضا مندی حاصل کرنا نکاح کیلئے ہنایت ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ بھائی نے اپنی عزت کے خیال سے بلا اجازت ہی نکاح پڑھوا دیا ہو اور یونہی کہہ دیا ہو کہ بہن راضی ہے۔ اس سے کہا کہ جیہی نفسک لی یعنی اب اپنی مرضی کا اظہار کر دے کہ تو میرے نکاح میں خوشی سے آئی ہے۔ اسنے اسپر چونکہ ناراضگی کا اظہار کیا اپنے اس کو اسکے گھر بھیجوا دیا قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کر لئے والی عورتوں کے متعلق لفظ بہہ استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورہ احزاب میں ہے۔ وان امرأة مومنة وهبت نفسها للنبي ان اراد النبي ان يستنكحها۔ یعنی وہ عورت بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جائز ہے جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح میں لانا چاہیں اور وہ اپنے نفس کو اس امر کیلئے پیش کر دے۔

مصنف ہفتوات کی نقل کردہ احادیث سے یہ بھی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اس عورت کا یہ کہنا کہ میں تم سے اللہ کی پنے مانگتی ہوں بتاتا ہے کہ اس کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ یہ استدلال بھی غلط ہو گا۔ اسلئے کہ اس عورت نے جیسا کہ خود ظاہر کیا ہے۔ یہ الفاظ اپنا رعب جانے کے لئے کہے تھے اور اسنے خیال کیا تھا کہ اس طرح آپ کے دل میں میری محبت بڑھ جائیگی۔ پس ان سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا نکاح آپ سے نہیں ہوا تھا یا یہ کہ اسے معلوم نہ تھا ابواسید اس کو لائے۔ راستے میں وہ ان سے وہ طریق پوچھتی رہی جس کا اختیار کرنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لئے ضروری تھا۔ پھر کہو نہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ناواقف تھی۔ پس اس فقرہ کا محرک صرف یہ خیال تھا کہ اس قسم کی بات کہنے سے اس کا درجہ بڑھ جائیگا۔

ایک یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اگر واقع میں اس کا نکاح ہو چکا تھا تو پھر

اسنے یہ کیوں کہا کہ میں ان کو نہیں جانتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طبعی جواب ہی جو ایسے موقعوں پر دیا جاتا ہے علی الخصوص عورتیں دیا کرتی ہیں۔ لوگوں کا یہ سوال کرنا کہ تو جانتی ہے کہ یہ کون تھا؟ یہ بھی اظہار غصہ کیلئے تھا جیسا کہ ناراضگی میں ایسا فقرہ کہا جاتا ہے کہ تجھے معلوم ہے میں کون ہوں؟ یا تجھے معلوم ہے یہ کون ہے؟ اور اس عورت کا جواب بھی غصہ اور نامرادی کے نتیجے میں تھا کہ میں نہیں جانتی کہ یہ کون ہے یعنی میں نہیں پرواہ کرتی کہ یہ کون تھا چنانچہ حقارت کیلئے لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ فلا شخص کون ہے حالانکہ بچپن سے اس شخص کے ساتھ تعلق اور واقفیت ہوتی ہے۔ غرض یہ سب استدلال باطل ہیں۔ اور واقعات کے مقابل میں قیاسات کو رکھنا عقل و دانش کے بالکل برخلاف ہے۔ جبکہ اسی روایت کا راوی صامت الفاظ میں یہ بیان کرتا ہے کہ اُس عورت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوئی تھی اور جبکہ ابوسید جو اس عورت کو لائے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اس عورت کی شادی ہو چکی تھی۔ او جبکہ حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ اُس کی شادی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو چکی تھی اور اپنے اُس کو طلاق دیدی۔ تو پھر بعض اشارات سے جن کے کئی معنی ہو سکتے ہیں یہ نتیجہ نکالنا کہ شادی نہیں ہوئی تھی۔ اور واقعات اور تفصیلات کو ترک کر دینا کہ طرح جائز ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جبکہ امام بخاری نے اس روایت کے نتیجے میں یہ نکالا ہے کہ عورت کو اسکے منہ پر طلاق دی جا سکتی ہے۔ اور جبکہ انہوں نے اُسی روایت سے پہلے اسی عورت کے متعلق حضرت عائشہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ اس عورت کو رسول کریم نے بعد نکاح طلاق دیدی تھی۔ اور جبکہ انہوں نے اس روایت کے بعد اُسی راوی کی رہائی یہ روایت نقل کی ہے کہ اُس عورت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر نیکی بعد بدایا تھا۔ یہ نتیجہ نکالنا کہ امام بخاری کا اس روایت کے نقل کرنے سے یہ نشاء تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اقدام زنا کا الزام لگایا جائے۔ کیسا صریح جھوٹ اور کھلا کھلا دھوکہ ہے۔

سننے اور بیان کیا تھا کہ یہ دونوں روایتیں جو مصنف ہفوات نے بیان کی ہیں

درحقیقت ایک ہی واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مسیگر نزدیک اس امر کا ثابت کرنا بھی مصنف ہفوات کی اصلی نیت پر ہی پردہ اٹھا دیتا ہے۔ اس لئے میں اسکو ثابت کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

علاوہ اسکے کہ تمام دوسری روایات اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی واقعہ کے متعلق ہیں۔ ان دونوں میں مندرجہ ذیل باتوں کا اشتراک بھی اس امر کو روشن کی طرح ثابت کر دیتا ہے۔

اول۔ دونوں روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت باہر سے لائی گئی تھی۔
دوم۔ دونوں روایتوں میں ایک ہی مکان کا ذکر ہے جس میں وہ عورت اتار گئی۔
سوم۔ دونوں روایتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابو اسید کو اس عورت کو لانے اور لیجانے کا کام سپرد ہوا۔

چہارم۔ دونوں روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس عورت کے پاس تشریف لیگئے اور اس سے تسکین دہ الفاظ میں کلام کیا۔ لیکن اسنے کہا کہ میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔

پنجم۔ دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسے اس قول پر اسے علیحدہ کر دیا۔ کیا کوئی عقل تجویز کر سکتی ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی شخص سے دو دفع گزری تھے اور کیا صرف اس وجہ سے کہ ایک حدیث میں اس عورت کا نام نہیں آیا۔ ان دونوں روایتوں کو دو واقعوں کے متعلق قرار دیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں تمام معتبر شراح اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی امر کے متعلق ہیں۔ دیکھو قسطلانی و فتح الباری۔

مگر میں سمجھتا ہوں کہ مصنف صاحب ہفوات کی تسلی نہ ہوگی جہنک شیوہ کتب سے ہی یہ ثابت نہ کیا جائے کہ جو نیہ بیا ہتا بیوی تھیں اور اس غرض کیلئے میں مصنف صاحب ہفوات کو شیعوں کی سبکے معتبر کتاب فروع کافی جلد دوم کا حوالہ دیتا ہوں اس کتاب کے صفحہ ۱۷۶ پر کتاب النکاح میں باب اخر منہ لکھ کر حسن بصری سے

روایت کی ہے کہ جو نبیہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا تھا اور پھر امام ابو جعفر سے اس کی تصدیق نقل کی ہے بلکہ ان کی زبان سے یہ اعتراض کرایا ہے کہ اس کو اور ایک عورت کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کی اجازت دیدی حالانکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آجائے کی وجہ سے اجہات المؤمنین میں شامل تھی۔ اب کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایک طرف تو جو نبیہ کو نکاح کی اجازت دیتے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اپنے ایک ام المؤمنین کو نکاح کی اجازت دیکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہشک کی اور دوسری طرف یہ کہا جائے کہ بخاری نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات جو نبیہ سے بیان کر کے آپ پر اقدام زنا کا الزام لگایا ہے۔ اگر جو نبیہ بیاہتا ہو تو نہ نفی تو بقول کافی امام جعفر نے اسے نکاح ثانی کی اجازت دینے پر اعتراض کیوں کیا اور اگر وہ بیاہتا تھی تو اس سے ملاقات کا ذکر اقدام زنا کا الزام کیوں نہ کرین گیا۔ اب کیا امام جعفر کو نعوذ باللہ الزام دیں کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لئے ان پر ایک اتہام لگایا یا مصنف ہفوات کو بے دین قرار دیں کہ بخاری کی عداوت میں اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر حملہ کیا۔

حلول خدا بہ ضرورت عائشہ رضی

ایک اعتراض مصنف ہفوات نے یہ کیا ہے کہ مصنف کتاب فردوس آسیہ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں اولئک مبرؤن ہما یقولون کے الفاظ آتے ہیں ان کے یہ معنی ہیں کہ صفوان اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور صدیق بری ہیں اس سے جو منافق کہتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فردوس آسیہ کے مصنف کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر نعوذ باللہ من ذلک کسی منافق نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ناجائز تعلق کا بھی الزام لگایا تھا۔

تجیب ہے کہ مصنف ہفوات نے دعویٰ تو یہ کیا تھا کہ احادیث میں جو ہشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لگائی ہے اس کو پیش کرینگے۔ لیکن آگے فردوس آسیہ پر اور وہ بھی اس کے اقوال اور خیالات پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غرض ان کی صرف اعتراض کرنا اور

اہل سنت و لوگوں کو بدظن کرنا ہے نہ کہ احادیث کی تحقیق و تدقیق۔
 چونکہ میرا کام ان احادیث اور ائمہ احادیث کے متعلق حقیقت کو ظاہر کرنا ہے چنانچہ
 مصنف ہفوات نے اعتراض کئے ہیں اسلئے فردوس آسیہ کے مصنف کی بریت
 کی کوشش کرنا میرے مقصد سے دور ہے۔ مگر ضمناً میں اس قدر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ
 گو میں نہیں جانتا کہ مصنف فردوس آسیہ کس تقویٰ اور کس علم کا آدمی تھا۔ مگر اس کی
 مذکورہ بالا تحریر سے وہ نتیجہ نکالنا جو مصنف ہفوات نے نکالا ہے۔ درست نہیں۔
 مصنف ہفوات کو معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔
 جو اولاد کے افعال پر ماں باپ کے افعال کو قیاس کر لیا کرتے ہیں اور کسی بچہ کے بد فعل کو
 دیکھ کر کہہ پا کر تے ہیں کہ اسکے ماں باپ بھی ایسے ہی ہونگے۔ پس کیا تعجب ہے کہ بعض
 منافقوں نے جنکو حضرت ابوبکرؓ سے بلا وجہ بغض تھا اور جو ان کو اسلام کے لئے
 بمنزلہ ستون دیکھ کر ان کی تباہی اور بربادی کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ یہ بھی کہہ دیا ہو کہ
 جیسی بیٹی ثابت ہوئی ہے (نحوہ باللہ) ایسا ہی باپ ہوگا۔ یا کم سے کم مصنف آسیہ کو خیال
 پیدا ہوا ہو۔ پس اس صورت میں اس آیت میں حضرت ابوبکرؓ کی بریت بھی خود بخود آگئی
 کیونکہ جب حضرت عائشہؓ پر سے اللہ تعالیٰ نے اعتراض دور کر دیا تو حضرت ابوبکرؓ
 پر سے خود ہی اعتراض دور ہو گیا۔

قرآن کریم میں بھی اسی قسم کے خیالات کے لوگوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت مریم کی
 نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ان کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو لوگوں
 نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا۔ یا اخت ہارون
 صا کانت ابولک امرأ سوءٍ وَّمَا کانت أَمَلُکِ بَغِيًّا (مریمؑ) ترجمہ۔ اے مریم تو نے
 ایک جہرت انگریز کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ تو بڑا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں
 فاحشہ تھی یعنی یہ کس طرح ہوا کہ ان نیکیوں کی اولاد خراب ہو گئی ہو۔ خراب اور بدکار تو
 بدوں کی اولاد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو بھی وہ جواب سکھا کہ ان کا منہ
 بند ہو گیا یعنی انہوں نے اس اعتراض کے جواب میں صرف اتنا کیا کہ فاشارت الیہ

(سورہ مریم رکوع ۲۷) حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف اشارہ کر دیا۔ یعنی ان کو انہی کے معیار سے ملزم کیا۔ انکا تو یہ اعتراض تھا کہ بدکی اولاد بد ہوتی ہے اور نیک کی نیک حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت مسیح کی زندگی کو پیش کر دیا کہ اگر یہ معیار درست ہے تو دیکھو یہ میرا لڑکا کیسا ہے؟ اگر تمہارا خیال درست ہے تو پھر بدکاری کے نتیجے میں یہ نیک اور نمونہ پکڑنے کے قابل لڑکا کہاں سے پیدا ہو؟ تمہارے ہسل کے مطابق تو خود اس لڑکے کا چال چلن ہی میری بریت کیلئے کافی ہے۔ چنانچہ ان کے اس دعویٰ کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح کا یہ دعویٰ پیش کرتا ہے۔ قال انی عبد اللہ النبی الکتاب وجعلنی نبیا وجعلنی مبارکا ابن ماکنت داوحنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا وبرا ابوالدنی ولم یجعلنی جبارا شقیقا السلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم اُبْحَث حیا۔ ذلک عیسیٰ ابن مریم۔ (سورہ مریم رکوع ۲۷) ترجمہ۔ مسیح نے اس پر کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اسنے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور مجھے مبارک کیا ہے۔ جہاں بھی میں رہوں اور مجھے تاکید کی ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں عبادت اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر کار بند رہوں۔ اور مجھے اسنے اپنی ماں سے بہت ہی نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے (یعنے اگر میری ماں بدکار ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے نیک سلوک کر نیکا خاص حکم کیوں دیتا؟ اور اس کی مرضی کا پاس کیوں رکھتا؟) اور مجھے لوگوں کے حقوق چھیننے والا اور نیکی سے محروم رہنے والا نہیں بنایا۔ اور اس نے میرے تینوں زمانوں پر سلامتی نازل کی ہے جب میں پیدا ہوا اس وقت بھی اور جب میں مر گیا اور جب دوبارہ اٹھوں گا اس وقت بھی ایسا ہی ہوگا۔ مریم کا بیٹا جیسا ایسا تھا یعنی ایسے آدمی کی والدہ پر وہ لوگ اعتراض کر سکتے تھے کہ وہ بدکار تھی۔ اور پھر مذکورہ بالا حالات کی موجودگی میں۔

مبصنف ہفوات بجائے اس گندے اعتراض کے جو انہوں نے اپنی جلی کمزوری کے ماتحت اختیار کیا ہے اگر قرآن کریم پر غور کرتے اور انسانوں کے مختلف طبقات کو دیکھتے تو مصنف فردوسِ آسیہ کے قول کے وہ معنے بھی کر سکتے تھے جو اوپر بیان

ہوئے ہیں اور جنبہ کوئی اعتراض نہیں پڑ سکتا۔
 اسی اعتراض کے تحت میں مصنف ہفوات نے ایک اور اعتراض بھی کیا ہے
 اور وہ یہ ہے کہ مصنف آئیہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلعم کو اپنا جمال
 عائشہ رضی کی شکل میں دکھلایا اور پھر درمیان سے پردہ اٹھا دیا اس پر مصنف ہفوات
 کو اعتراض ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ رسول کریم صلعم کی عورتوں کی محبت دیکھ کر
 عائشہ رضی کی شکل میں حلول کیا۔

اس اعتراض کی بنا بھی کسی حدیث پر نہیں ہے۔ مصنف ہفوات کو چاہئے تھا کہ
 اول وہ حدیث لکھتے جس میں یہ بات بیان ہے پھر اعتراض کرتے اور اگر ایسی کوئی
 حدیث ان کو معلوم نہ تھی یا اگر کوئی تھی تو ایسی تھی کہ اس کو پیش کرتے ہوئے ان کو اپنی
 انصاف پسندی پر سے پردہ اٹھنے کا احتمال تھا تو خاموش رہتے۔ اگر ایسی ہی باتوں
 پر اعتراض کیا جائے تو شیعہ صاحبان میں بھی ایسی روایات مشہور ہیں کہ جن کو
 مسکر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ ایک روایت مشہور ہے کہ محراج کے دن رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے عرش پر حضرت علی رضی کی ہی تصویر کو دیکھا تھا پس اس قسم کی روایات
 اگر عوام الناس میں پھیل جائیں تو ان کی وجہ سے کسی مذہب یا اسکے ائمہ پر اعتراض
 نہیں ہو سکتا۔

یہ جواب تو اس بات کو مد نظر رکھ کر ہے کہ ایسی کوئی صحیح حدیث اہل سنت میں نہیں
 ہے جس سے معلوم ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی کی شکل میں
 اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ لیکن اگر اسکو تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں
 پڑ سکتا کیونکہ یہ ایک عام نظارہ ہے جس سے تمام روحانیت رکھنے والے مومن آگاہ
 ہیں اور اس پر اعتراض کر کے مصنف ہفوات نے صرف اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ ان کی
 روحانیت سے ذرہ بھی مس نہیں۔

یہ امر لاکھوں مومنوں کے تجربہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عام کشف اور روایات
 انسانوں کی شکل میں نظر آجاتا ہے اور اس سے یہ افراد نہیں ہوتی کہ وہ محدود ہے

یا حلو کرتا ہے بلکہ اس رویا سے صرف اس تعلق کا اظہار مراد ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بندے سے ہے اور تصویری زبان میں اس تعلق کو ظاہر کر کے ایک گہرا نقش اس کے دل میں جما یا جاتا ہے۔

میں نے خود کئی دفعہ اللہ تعالیٰ کو انسانی شکل میں دیکھا ہے اور مضمون رویا کے مطابق اس کی شکل مختلف طور پر دیکھی ہے۔ میں ہرگز نہیں سمجھتا کہ وہ شکل خدا تھی یا اس میں خدا تعالیٰ حلول کر آیا تھا۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک جلوہ تھی اور اس رویا کے مضمون کے مطابق الہی صفات کی جلوہ گری پر دلالت کر رہی تھی وہ ایک رویت تھی مگر تصویری زبان میں اور اس تعلق کو ظاہر کرتی تھی جو اللہ تعالیٰ کو مجھ سے یا ان لوگوں سے تھا جن کے متعلق وہ رویا تھی حضرت استاذی المکرم مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ خلیفہ اول اپنی طالب علمی کے زمانہ کا ایک واقعہ سناتے تھے کہ ایک دفعہ آپ کے استاذ مولوی عبدالقیوم صاحب بھوپالوی نے جو مجدد و مختصر حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے خلفاء میں سے تھے جواب دیکھا کہ ایک شخص کوڑھی اندھا اور دیگر ہر قسم کی بیماریاں میں مبتلا بھوپال کے باہر پل پر پڑا ہے اس سے آپ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں البیمیاں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ میاں تو سب حسنوں کا جامع ہے اور تو سب عیبوں سے پر ہے تو اس نے کہا کہ وہ بھی درست ہے لیکن میں بھوپال کے لوگوں کا خدا ہوں یعنی انہوں نے مجھے ایسا سمجھ چھوڑا ہے۔

غرض خدا تعالیٰ کی رویت کئی بنا پر کئی صورتوں میں مومن کو ہوتی ہے اور اس کے ایمان کی زیادتی کا موجب بنتی ہے اور اس پر اعتراض کرنا ایک جاہل اور نادان انسان کا کام ہوتا ہے واقف حقیقت اس گڑھے میں نہیں گرتا۔ پس اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی رویت ہوئی ہو تو اس میں کچھ تعجب کی بات نہیں اور یہ اعتراض کا مقام نہیں اکثر دفع رویا کی تعبیر ناموں کے معنوں پر ہوتی ہے۔ اگر ایسی رویا کسی کو ہو تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایک سلسلہ بخشے گا جو ہمیشہ قائم رہے گا۔ کیونکہ ہائے نشہ رضائے معنی زندہ رہنے والے ہیں

اور اس نام کی عورت کی شکل میں اگر اللہ تعالیٰ اپنا جلوہ ظاہر کرے تو اسکے یہ معنی ہوتے ہیں کہ یہ جلوہ نہ مٹنے والا ہے اور عورت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جلوہ امتہ کے متعلق ہے جو موند ہے۔ ایسی رویا پر اعتراض کرنا کورہا طنی اور رد حائیت سے حرام پر دلالت کرتا ہے۔

نجات رسول از سکرات بلعاب عائشہ

ایک اعتراض مصنف ہفوات نے یہ کیا ہے کہ فردوس اسمیہ میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وفات کے وقت مسواک چبوائی تاکہ آپ پر سکرات موت کی آسانی ہو۔ اور اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ کوشی طب کا نسخہ ہے کہ مسواک کسی کے منہ میں چبوا کر لیجائے تو اس سے سکرات موت میں آسانی ہوتی ہے۔

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ فردوس اسمیہ نہ حدیث کی کتاب ہے اور نہ اس پر اہل سنت والجماعت کے مذہب کا انحصار ہے پس اس کے حوالے سے کوئی حدیث پیش کرنا درست ہی نہیں ہو سکتا جب کتب احادیث موجود ہیں تو انکا حوالہ دینا مصنف ہفوات کے لئے کیا مشکل تھا صاف ظاہر ہے کہ مصنف ہفوات کو اس میں اپنے ارادہ کی قلبی کھل جانیکا احتمال تھا اور وہ جانتے تھے کہ اصل حوالہ جات کے ظاہر ہونے ہی بہت سی روایات کی حقیقت ظاہر ہو جائیگی۔

چونکہ یہ واقع بخاری میں بھی آتا ہے اسلئے میں بخاری کی روایت اسجگہ نقل کر دیتا ہوں۔ اس سے مصنف ہفوات کے اعتراض کی حقیقت خود بخود ظاہر ہو جائیگی امام بخاری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ذکر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت لکھتے ہیں۔ کانت تقول ان من نعم الله على ان رسول الله صلى الله عليه وسلم توفي في بيتي وفي يوحى وبين سحري ونخري وان الله جمع بين ربي وربيته عند موته۔ دخل على عبد الرحمن بن عبيد السواك وانا مسند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فَمَنْ يَنْظُرُ إِلَيْهِ فَعَرَفَتْ أَنَّهُ نَجِيبُ السَّوَاكِ
فَقُلْتُ اخْذَاهُ لَكَ فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ أَنْ نَعَمْ فَنَادَيْتُهُ فَأَشْتَدَّ عَلَيْهِ فَقُلْتُ
الْيَنِّهْ لَكَ فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ أَنْ نَعَمْ فَلَيْتَهُ فَأَمَرَهُ - البخاری باب مرض النبی صلی
اللہ علیہ وسلم ووفاته - ترجمہ - حضرت عائشہ رضی فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے
احسان کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے
گھٹوں اور میری باری میں فوت ہوئے ہیں اور میری گردن اور سینہ کے درمیان (یعنی
اس مقام پر اپنے ٹیک لگائی ہوئی تھی) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور آپ کے لعاب
کو آپ کی وفات کے وقت جمع کر دیا۔ اور اس طرح ہوا کہ عبد الرحمنؓ اور حضرت رنہ کے
بھائی) اندر آئے اور ان کے پاس مسواک تھی اور میں نے اس وقت رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کو ٹیک دی ہوئی تھی میں نے دیکھا کہ آپ مسواک کی طرف دیکھ رہے ہیں اور
میں نے سمجھا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں پس میں نے آپ کے دریافت کیا کہ کیا آپ کے لئے
یہ مسواک لیلوں؟ آپ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ میں نے مسواک لیکر آپ کو دی لیکن
آپ کو وہ سخت معلوم ہوئی اس پر میں نے کہا کہ کیا میں اسے آپ کے لئے نرم کر دوں؟ آپ نے
سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ پس میں نے مسواک کو نرم کر دیا اور آپ نے اپنے منہ میں مسواک
کرنا شروع کر دی۔

دو طرح اور بھی بخاری میں یہ روایت آتی ہے لیکن مفہوم یہی ہے۔ اس امر کا
کہیں بھی ذکر نہیں کہ عائشہ رضی کی مسواک کرنے سے آپ پر سکرات موت کی سہولت ہو گئی
جبکہ مصنف ہفوات نے بخاری کو بہ نیت اعتراض پڑھا تھا تو ضرور اس روایت
پر بھی ان کی نظر پڑی ہوگی۔ پھر اسکو چھوڑ کر فردوس آسیہ کی طرف توجہ کرنے کی
یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس حدیث پر اعتراض نہیں پڑ سکتا تھا بلکہ اگر وہ اس
حدیث کو نقل کر دیتے تو اس سے اعتراض ہی رد ہو جاتا کیونکہ اس حدیث میں اس
روایت کے بالکل خلاف مضمون ہے۔ فردوس آسیہ کی عبارت سے مصنف ہفوات
نے یہ مطلب نکالا ہے کہ گویا حضرت عائشہ رضی کی برکت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی سکرات میں کمی ہوئی حالانکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک فخر سمجھتی ہیں کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت میں خدمت کا موقع ملا۔ بخاری میں اسی موقع کے متعلق ایک اور روایت ہے اور وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اس سے اس بہتان کی قباحیت اور فصاحت اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ کتاب فضائل القرآن میں امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باب المعوذات کے نیچے ایک روایت لکھتے ہیں جو یہ ہے عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اشتكى يقرأ على نفسه بالمعوذات وينفث فلما اشتد وجعه كنت اقرأ عليه وامسح بیده رجاء برکتها۔ ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بیماری ہوتی آپ اپنے جسم پر معوذات پڑھ کر پھونک لیا کرتے۔ پس جب آپ کی بیماری بڑھ گئی تو میں ان سورتوں کو بڑھ کر آپ کا ہاتھ جسم پر پھیر دیتی اور آپ کا ہاتھ اسے پھیرتی تا برکت ہو۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا ائمہ حدیث کے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی یہ بات نہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایسی برکت حاصل تھی کہ ان کے لعاب کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب سے مل جانے سے آپ پر سکرات موت آسان ہو جائینگے۔ اگر یہ بات ان کے ذہن میں ہوتی اور وہ بقول مصنف ہفوات اس خیال کے پھیلانے کے خواہشمند ہوتے تو وہ مذکورہ بالا حدیث کو کیوں اپنی کتب میں درج کرتے۔ خلاصہ یہ کہ صحیح احادیث میں یہ بات کہیں بھی بیان نہیں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے مسواک اسلئے چبا کر دے کہ مجھ پر سکرات موت آسان ہو جائے گی۔

جس بات کو مصنف ہفوات نے چھپا یا ہے میں اس کو ظاہر کر دیتا ہوں کہ عقلی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں امضغید لثم آتینی یہ امضغید لکی یختلط ریق بریق لکی یھون علی عند الموت۔ اس کے معنی بے شک یہ کہو جاسکتے ہیں

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے مسواک چبا کر دے تا موت کے وقت کا حال مجھ پر آسان ہو۔ لیکن اسکے بھی یہ معنی نہیں نکل سکتے کہ لعاب عائشہ رضی میں کوئی ایسی برکت تھی بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ معنی نکلیں گے کہ آپ کو چونکہ عائشہ رضی سے محبت تھی اور پیاروں کا قرب انسان کی تسلی کا موجب ہوتا ہے اسلئے جس طرح آپ کبھی اس جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے تھے جس جگہ منہ لگا کر عائشہ رضی نے پیا ہو۔ اسی طرح آپ نے اس وقت ایسی خواہش کی۔

مگر میرے نزدیک حق یہی ہے کہ یہ روایت باطل ہے۔ کیونکہ گو اس روایت کے قطعی طور پر وہی معنی نہیں نکلتے جو مصنف ہفوات نے کئے ہیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جو معنی بھی اسکے کئے جائیں وہ واقعات کے خلاف ہیں۔ بخاری کی روایت جو میں اوپر بیان کر آیا ہوں اور دوسری روایات جنکو میں نے خوف طوالت نقل نہیں کیا یہ روایت ان کے خلاف ہے۔ اور اسلئے قابل اعتبار نہیں۔ بخاری اور دوسری معتبر کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے ضعیف ہو چکے تھے کہ اس قدر بھی گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ بخاری کی حدیث میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کے دریافت کرنے پر کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لینا چاہتے ہیں؟ آپ نے منہ سے ہاں نہیں فرمایا بلکہ سر کا اشارہ فرمایا اور پھر جب آپ چبا نہیں سکے تو خود منہ سے نہیں فرمایا کہ اسکو چبا دو بلکہ حضرت عائشہ رضی کے پوچھنے پر بھی سر سے فرمایا کہ ہاں چبا دو۔ پس جبکہ خود حضرت عائشہ رضی کی روایت معتبر کتب احادیث میں یوں درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک چبانے کے لئے منہ سے کچھ نہیں کہا بلکہ صرف سر ہلایا۔ تو عینی کی روایت جس میں ایک فقرہ کا فقرہ درج ہے کس طرح درست ہو سکتی ہے؟ اور جبکہ وہ روایت اہل سنت کی معتبر کتب کی روایات کے خلاف ہے تو اسے ائمہ حدیث اور اہل سنت کے خلاف کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ دکھانے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکرات موت سے نجات ہوئی؟

مصنف ہفوات نے فردوسِ آسفیہ کے ہی حوالہ سے ایک اور اعتراض ائمہ حدیث پر کیا ہے اور وہ یہ کہ ان کی روایات کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکرات موت سے نجات اس طرح ہوئی کہ آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ اور ہتھیلیاں دکھائی گئیں تھیں۔

اس روایت کو درج کر کے مصنف ہفوات نے یوں اعتراض کیا ہے: ”غیبت ہے کہ پیغمبر معصوم کو دوزخ نہ دکھائی جائے ہتھیلیوں ہی پر خیر گزری ورنہ ان خوش اعتقاد مولویوں سے یہ بھی دور نہ تھا۔“ پھر لکھا ہے:۔

”لطیفہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں کی قوت متقنا طیبی بلکہ قوت برقی بڑھتے بڑھتے ملک الموت کا کام کرنے لگی تھی ماشاء اللہ۔“

جس شرافت جس ادب جس سنجیدگی کے ساتھ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا گیا ہے وہ مصنف ہفوات کے اندرون کے ظاہر کرنے کے لئے خود ہی کافی ہے۔ اس پر مزید کچھ لکھنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ اصل اعتراض ہی کے جواب پر کفایت کرتا ہوں۔ یہ حدیث جس کی طرف مصنف ہفوات نے اشارہ کیا ہے مسند احمد بن حنبل اور ابن سعد کی ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں یہ الفاظ ہیں عن عائشہ رضی اللہ عنہا ایضا ان النبۃ صلی اللہ علیہ وسلم قال انہ لیھون علی الموت لانی رأیت بیاض کھن عائشۃ فی الجنة۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر موت آسان ہو گئی ہے کیونکہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں کی سفیدی کو جنت میں دیکھا ہے اور ابن سعد مرسل طور پر اس روایت کو یوں بیان کیا ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد رأیتھا فی الجنة حتی لیھون علیّ بذلک موتی کانی اری کفہا یتنہ عائشۃ۔ ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں اس کو دیکھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے

کہ مجھ پر موت آسان ہو گئی ہے گویا کہ میں عائشہ رضی کی ہتھیلیوں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں
اصل روایات کو پڑھ لینے کے بعد کوئی عقلمند وہ اعتراض نہیں کر سکتا جو
مصنف ہفوات نے کئے ہیں۔ ان روایات سے نہ اشارۃً نہ کنایۃً یہ بات معلوم
ہوتی ہے کہ حضرت رضی کی ہتھیلیاں دکھانے کے سبب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی روح نکل گئی نہ یہ کہ ہتھیلیوں کے دیکھنے کے سبب آپ کی سکرات موت کم ہو گئیں
یہ تمام کی تمام بات ایک سرتاپا جھوٹ ہے جس کے کہ مصنف ہفوات اور ان کے
ہم آہنگ لوگ خاص طور پر مشاق معلوم ہوتے ہیں۔

اس حدیث کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
یہ فرمایا کہ عائشہ رضی کو جنت میں دیکھ کر آپ پر موت آسان ہو گئی ہے اور اسپر کسی کو کیا
اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہر انسان خواہ نبی ہو خواہ غیر نبی بلکہ نبی زیادہ اس امر کی فکر
رکھتا ہے کہ اسکے عزیز اور رشتہ دار بھی خدا کے غضب سے بچ جائیں اور اس کے فضلو
کے وارث ہوں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی کا جنت میں دکھایا
جانا واقع میں ایک خوشی کا امر تھا اور اسپر آپ کا یہ فرما دینا کہ مجھ پر یہ بات دیکھ کر موت
آسان ہو گئی ہے۔ آپ کی شان کو بڑھا دینا ہے نہ کہ آپ کی شان کے خلاف۔ جس نبی
کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَعْلٰکَ باخِ نَفْسِکَ الْاَیْکُوْنُوْا مُؤْمِنٰیْنَ کیا تو اپنی
جان کو ہلاک کر دیجاکا اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ کیا اس کو اپنے اہل کی
نسبت اس امر کی خواہش نہیں ہوگی کہ وہ بھی انعامات الہیہ کے وارث ہوں اور
کیا اگر اللہ تعالیٰ اسکے بعض اہل کی نسبت اس امر کی خوشخبری دے کہ وہ بھی اسکے
درجہ کے انعامات کے وارث ہوں گے۔ اور ان کے جسم خاص طور پر روشن بنائے
جائیں گے تو اس کی آخری گھڑیاں خوشی سے معمور نہ ہوں گی؟ اے کاش مصنف صاحب
ہفوات اپنے پتھر سے زیادہ سخت دل اور معکوس کورے سے زیادہ ایمان سے خالی
قلب سے اس واقعہ کو نہ جاسختے بلکہ ایک مومن دل کی حالت سے اندازہ لگاتے
تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف

نہیں ہے بلکہ آپ کی شان کو بڑھانے والی ہے اور اسی طرح حضرت عائشہ رضی عنہا کی عظمت کا اظہار کرنے والی ہے اور غالباً یہی باعث ہے کہ مصنف ہفوات کو یہ حدیث گراں گزری ہے اور ان کو اپنے دماغ پر پورا زور دیکر عجیب قسم کے بے تعلق اعتراض ایجاد کرنے پڑے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس روایت میں سکرات موت کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ یہ واقع موت سے کسی قدر پہلے کا معلوم ہوتا ہے اور موت کے آسان ہونے کے معنی دل کی خوشی کے ہیں نہ کہ موت کی ظاہری تکلیف کے۔ کیونکہ اس قسم کی تکلیف ایک طبعی امر ہے اور دل کی خوشی یا عدم خوشی کا اس سے کچھ تعلق نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بد اخلاقی کا الزام

فردوس آسیہ ہی کے حوالہ سے کشف الخمر عن جمیع الائمہ کی ایک روایت درج کیے مصنف ہفوات نے ایک اعتراض ائمہ حدیث پر یہ کیا ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بے شرمی کا الزام لگایا ہے۔ وہ روایت بقول مصنف ہفوات یہ ہے کہ ”جب آنحضرت میرے (عائشہ رضی عنہا کے) گھر تشریف لائے تو دونوں گھٹنے میرے دونوں زانوؤں پر رکھتے اور دونوں ہاتھ مونڈھوں پر اور منہ اوپر دھکے ہو جاتے اور سانس چڑھ جاتی تھی۔“

میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ فردوس آسیہ کوئی حدیث کی کتاب نہیں ہے اور نہ اس کی روایات اہل سنت کی سلسلہ ہیں بلکہ ہم اسکے مصنف کی حالت تقویٰ اور علم کو بھی نہیں جانتے۔ پس اس کی روایات پر بنا رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ شیعہ مذہب پر اعتراض کرنے کے لئے کوئی شخص تشائین اور عجبگی چری فقیروں کے اقوال پر اپنے دلائل کی بنیاد رکھے کیونکہ اس قسم کی کتب کے مصنفین کی اصل غرض عجیب و غریب روایات کا جمع کرنا ہوتی ہے نہ کہ تحقیق و تدقیق۔

اسی طرح فردوس آسیہ نے جس کتاب کے پر روایت نقل کی ہے وہ کتاب بھی حدیث کی

علم کے لئے مستند نہیں ہے۔ امام شعرانی ان علماء میں سے ہیں جو روایت کی تحقیق سے زیادہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہم کسی روایت سے عبرت کیا حاصل کر سکتے ہیں پس خواہ روایت جھوٹی ہو خواہ سچی وہ اسکو درج کر دیتے ہیں۔ انہوں نے صوفیاء کرام کے سوانح میں جو کتاب لکھی ہے اس میں ایسی روایات بہت سی جمع کر دی ہیں جو گو شیعوں کی روایات کا تو مقابلہ نہیں کر سکتیں مگر پھر بھی عقل کو چکرا دینے کیلئے کافی ہیں۔ اور ان کی غرض اس قسم کی روایات کو نقل کر دینے سے محض یہ ہوتی ہے کہ ہم ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر محقق صوفیاء و محقق ائمہ حدیث کا یہ طریق نہیں ہے وہ جب روایات کو جمع کریں گے تو بے شک ہر قسم کی حدیث جو اس خاص قانون کے مطابق ہو جسے انہوں نے اپنی تصنیف کے وقت مد نظر رکھا ہو درج کر دیں گے لیکن استعمال کے وقت اس امر کو مد نظر رکھیں گے کہ آیا کوئی حدیث تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے کس پایہ کی ہے۔

اس بات کو کھول دینے کے بعد اگر فردوس آسیہ کا مصنف نہ امام شعرانی روایت کے معاملہ میں اس مقام پر ہیں کہ ان کی بیان کردہ روایت حدیث کی تحقیق کے متعلق کوئی وقعت رکھتی ہو۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے کشف الغمہ میں وہ روایت نہیں ملی جو مصنف ہفوات نے درج کی ہے۔ ہاں ایک حدیث اس میں ایسی موجود ضرور ہے جس کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ہفوات کا اسی کی طرف اشارہ ہے۔ مگر اس حدیث کے الفاظ اور میں اور مطلب اور۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ حدیث کس پایہ کی ہے کیونکہ کشف الغمہ کے مصنف مستقل محدث نہیں ہیں اور انہوں نے حوالہ بھی نہیں دیا کہ معلوم ہوتا کہ انہوں نے اس حدیث کو کہاں سے نقل کیا ہے۔ تا اس کی حقیقت معلوم کی جاتی۔ لیکن اس بات میں کچھ شک نہیں کہ کشف الغمہ کی روایت خواہ سچی ہو خواہ جھوٹی اس اعتراض کی حامل نہیں ہو سکتی جو مصنف ہفوات نے کیا ہے مزید وضاحت کیلئے میں اس روایت کے الفاظ کشف الغمہ میں سے درج کر دیتا ہوں جو یہ ہیں "کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل علیّ وضع رکبتيہ علی فخذه ویدیه علی عاتقہ ثم کتب فاحنی علیّ" یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے گھر میں

تشریف لائے تو میری رائوں پر اپنے گھٹنے ٹیکتے اور سیکر کا ندھوں پر اپنے ہاتھ رکھتے پھر میری طرف جھکتے اور مجھ سے شفقت و پیار کا معاملہ کرتے، جلد دوم صفحہ ۹۰ مطبوعہ مطبع عامہ بمصر۔ کشف الغمہ کی اصل روایت اور ہفوات المؤمنین کی بیان کردہ عبارت میں یہ نمایاں فرق نظر آ رہا ہے کہ اس میں سانس چڑھ جاتی تھی کے الفاظ بالکل موجود نہیں مگر یہ روایت کسی اور جگہ بھی درج ہے اور اس میں یہ الفاظ موجود ہیں تو مصنف ہفوات کا فرض ہے کہ اس کا حوالہ دے۔

اصل بات یہ ہے کہ ان الفاظ کو جد کر کے اعتراض کی جان نکل جاتی ہے کیونکہ شہوت و بوالہوسی کی روح انہی الفاظ سے پیدا ہوتی ہے پس اگر فردوس آس میں یہ الفاظ موجود بھی ہیں تب بھی باوجود اسکے کہ عام طور پر یہ کتاب مجاہدی ہے کشف الغمہ سے حوالہ نہ دینے کی غرض ہی مصنف ہفوات کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی طرح ایک اعتراض کی اور زیادتی ہو جائے مصنف ہفوات کا نشانہ اس واسطے نقل کر نیسے یہ ہو کہ وہ اسے حالت جماع کا نقشہ قرار دیتے ہیں۔

حالانکہ یہ اس تلمذ جہانی کا اظہار ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں پر فرمایا کرتے تھے۔ اور جو تمدن و اخلاق کی اساس جس قدر متحذلقات ہیں ان میں یہ بات خصوصیت سے پائی جاتی ہے کہ خاندان کو اپنے گھر میں داخل ہونے پر بیوی سے خاص طور پر تلمذ سے پیش آنا چاہئے اور اس روایت میں اگر یہ بیچ ہے اسی نقشہ کو کھینچا ہے اور اس روایت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس میں اس حالت کا ذکر ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہو کر قی مضیں کیونکہ رائوں پر گھٹنوں کا ٹیکنا اور کندھوں پر ہاتھوں کا رکھنا بیٹھنے یا کھڑے ہونے کی حالت کو بتاتا ہے نہ کہ لیٹنے کی حالت کو۔ عاتق پر ہاتھ ہمیشہ بیٹھے یا کھڑے ہوئے انسان کے رکھا جاسکتا ہے۔ اور یہ بات تو بچے بھی جانتے ہیں کہ لیٹے ہوئے آدمی کی رائوں پر اگر گھٹنوں کو ٹیک دیا جائے تو دست خلیف کا موجب ہوتا ہے نہ محبت کے اظہار کا ذریعہ۔ غرض جو مفہوم مصنف ہفوات نے اس روایت سے سمجھا ہے وہ ہم گز درست نہیں بلکہ اسکے الفاظ سے فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب گھر میں گھسنے تو اپنی بیویوں کو پیار کرتے اور یہ قابل اعتراض بات نہیں بلکہ ایک اسوہ حسنہ ہے بشرطیکہ کوئی بے رحم سنگدل یا بیاکار صوفی نہ ہو۔

بہتان دراعتبات شرک از پیغمبر

ایک نئے اعتراض کے پیدا کرنے کیلئے پھر وہی کتاب فردوسِ آسیہ مصنف ہفوات کے ہاتھ میں آئی ہے اور اب کے بھی اسی غرض کیلئے کہ اگر اصل کتاب کا حوالہ وہ دیدیں تو اعتراض باطل ہو جاتا ہے۔ وہ فردوسِ آسیہ کے حوالہ سے سنن ابوداؤد کی یہ روایت درج کرتے ہیں کہ ”جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک سے واپس آئے تو حضرت عائشہ رضی کی گڑیلوں کا پردہ ہوا سے اڑ گیا آنحضرت نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی نے عرض کیا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں ان میں ایک پردار گھوڑا بھی تھا۔ آنحضرت نے پوچھا کیا گھوڑے کے پر بھی ہو کر تے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی نے عرض کیا کیا حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے پر نہ تھے؟ پس آنحضرت ہنسر چپ ہو گئے۔“ اس روایت کو نقل کر کے مصنف ہفوات ان الفاظ میں اعتراض کرتا ہے ”راوی نے حضرت عائشہ رضی میں طبعی کی فضیلت ظاہر کرنے کی دھن میں رسالت کو غارت کر دیا۔ کیونکہ ذی روح کی تصویر سایہ دار کے دیکھنے پر پیغمبر خدا کا ہنسر چپ رہنا نافی رسالت ہے۔ بلکہ ان تصاویر کا گھر سے اخراج بلکہ احراق مشروط تھا جو نہ ہوا اس وجہ سے پیغمبر بشیر و نذیر نہ رہے۔ کیونکہ ان سے نہی عن المنکر ترک ہو گیا پس اس بنا پر ماننا پڑیگا کہ معاذ اللہ یہ ان الشرائک لظلم عظیم الحاقی ہے۔“ صفحہ ۲۲- ایڈیشن دوسرا۔ دوسرا اعتراض مصنف ہفوات نے یہ کیا ہے کہ تبوک کے وقت حضرت عائشہ کی عمر ستروال کی تھی اور اس عمر میں بیامی لڑکیاں بالعموم گڑیاں نہیں کھیل کر تیں۔

یہ حدیث بے شک ابوداؤد دین ہے۔ لیکن اس میں ایک جملہ ایسا بھی ہے جو مصنف ہفوات کے اعتراض کے ایک حصہ کو باطل کر دیتا ہے اور غالباً اسی وجہ سے انہوں نے ابوداؤد کو نکال کر نہیں دیکھا بلکہ فردوسِ آسیہ کے حوالہ سے اعتراض کر دیا ہے اور وہ جملہ یہ ہے ”قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غزوة تبوک او خیبرؑ یعنی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تھے تب یہ واقعہ ہوا تھا۔ اس جملہ کی ظاہر ہے کہ راوی کو وقت کے متعلق شک ہے کہ وہ کونسا تھا تبوک اور خیبر میں دو سال سے زائد کا

فرق ہے غزوہ خبیر دو سال پہلے ہوا ہے پس اگر خبیر کو صحیح سمجھا جائے تو اس وقت حضرت عائشہ رضی کی عمر پندرہ سال سے کچھ کم ہی بنتی ہے لیکن جبکہ راوی وقت کے متعلق خود شک میں ہے اور اس شک کا اظہار کرتا ہے اور دوا ایسے جنگوں کا نام لیتا ہے جن میں دو سال سے زیادہ کا فرق ہے تو کیا تعجب ہو کہ درحقیقت جس جنگ کے بعد یہ واقع ہوا ہے وہ ان دونوں جنگوں کے سوا کوئی اور جنگ ہوا اور خبیر سے بھی پہلے ہوا اور یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے اور اسی شک کو پوشیدہ رکھنے کیلئے غالباً مصنف ہفوات نے سنن ابو داؤد کی روایت کو نقل نہیں کیا جو زیادہ معروف کتاب ہے اور فردوس آسیہ کا حوالہ دیدیا ہے۔

اب میں اس اعتراض کا جواب دیکر کہ حضرت عائشہ رضی کی عمر گڑیاں کھیلنے کی اجازت دے سکتی تھی کہ نہیں؟ اس دوسرے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ کیا گڑیاں کھیلنا شرک ہو اور کیا ذی روح کی تصویر یا تمثال سے کھیلنا شرک ہو۔ اور ان الشرك لظلم عظیم کی آیت کے خلاف ہے؟

اول تو میں مصنف ہفوات اور ان کی طرز کے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا وہ روپیہ پیسہ کا استعمال کرتے ہیں یا نہیں؟ کیا اسی کتاب کے چھپوانے پر ان کو کاغذوں پر پیسوں کا استعمال کرنا منع ہے؟ طبع والوں کا غدو و شلو کو ان کی مزدوری اور ان کے بل ادا کرنے پر پڑے تھے یا نہیں؟ اور وہ بل کس سکہ میں انہوں نے ادا کئے تھے؟ کیا جس وقت وہ رائج الوقت سکہ کو استعمال کرتے ہیں یا کسی سے لیکر اپنی جیب میں ڈالتے ہیں تو اپنے آپ کو مشرک قرار دیا کرتے ہیں؟ یا سو من سمجھتے ہیں؟ ان کا گڑیوں پر اس طرح غضبناک ہو کر اعتراض کرنا کہ رسول کی پیروی علیہ وسلم کے ادب کو بھی نظر انداز کر کے یہ فقرہ لکھ دینا کہ رسالت کو غارت کر دیا و بتاتا ہے کہ وہ شرک کے بڑے سخت دشمن ہیں لیکن کیا روپیہ پیسہ کا استعمال انہوں نے چھوڑ دیا ہے یا ان کے کسی بزرگ مجتہد نے چھوڑ دیا ہے؟ حالانکہ روپیہ اور نوٹ اور پیسہ سب پر ذی روح کی تصویر ہوتی ہے۔

اسی طرح کیا اپنے یا آپ کے ہم خیال لوگوں نے آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے کہ اس میں بھی ذی روح کی تصویر بن جاتی ہے۔ اگر کہو کہ اس تصویر کو ہم تو نہیں بناتے مگر سوال یہ ہے کہ آپ اس کو

دیکھتے بھی ہیں یا نہیں یا آئینہ کا احراق کر دیا کرتے ہیں کہ اسکے ذریعہ سے اور اسی ذی روح کی تصویر بن جاتی ہے۔ اگر کہیں کہ وہ تو عارضی تصویر ہوتی ہے قائم نہیں رہتی تو کیا عارضی طور پر گڑیاں بنا کر پھر ان کو توڑ دالنا جائز ہے؟ اور اس طرح شرک نہیں رہیگا۔ اگر یہ درست ہے تو گڑیاں سب ہی ٹوٹی رہتی ہیں ان کو کون ہمیشہ کیلئے رکھتا ہے؟

مجھے افسوس آتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنی نادانی اور جہالت سے اسلام کو نہایت تنگ اور محدود مذہب بنا دیتے ہیں حالانکہ جس طرح کسی مذہب میں اپنے پاس سے بڑا دینا منع ہے اسی طرح اس میں سے کسی حصہ کا کم کر دینا منع ہے۔ قرآن کریم میں جس طرح ان لوگوں کو برا کہا گیا ہے جو اپنے پاس سے احکام بنا کر خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی برا کہا گیا ہے جو بعض احکام الہی کو چھپا دیتے اور مخفی کر دیتے ہیں۔ پس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مذہب میں زیادتی اور کمی کسی قسم کی نہ کی جائے بلکہ اس کو اپنی اصلی حالت میں رہنے دیا جائے۔

شرک ایک خطرناک شے ہے اور اس کا مرتکب خدا تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر نازل کر لیتا ہے لیکن جو شخص شرک کے مفہوم کو خلاف منشاء شریعت کھینچ تان کر کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے وہ بھی کم حرم نہیں۔ کیونکہ وہ بھی درحقیقت اپنے آپ کو خدائی کی طاقتیں دیکر شریعت کے احکام کی وسعت و تنگی کو اپنے ماتھے میں لینا چاہتا ہے۔

تعجب ہے کہ ایک طرف مسلمانوں میں سے وہ لوگ ہیں جو کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو کر شرک کہتے ہیں۔ عکس اثر دالنے کو شرک کہتے ہیں حتیٰ کہ غلو کرتے کرتے شرک فی الرسالت کا ایک مرتبہ ایجاد کر لیتے ہیں اور اس طرح شرک کے مسئلہ کو جو خاص ذات باری سے تعلق رکھتا ہے مبہم و مخلوط کر دیتے ہیں۔ بعض بچوں کی کھیلوں تک کا نام شرک رکھ دیتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو بزرگوں کی قبروں پر سجدہ کرتے ہیں۔ ان سے مراد یہ مانگتے ہیں۔ بزرگوں کے نام پر بکرے دیتے ہیں ان کے نام پر جانوروں یا بچوں یا اور چیزوں کو وقف کر دیتے ہیں ان کو عالم الغیب خیال کرتے ہیں ان کو خدائی طاقتوں کا وارث سمجھتے ہیں اور بعض تو ان کے مکان یا مزار کی طرف منہ کر کے نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور یہاں تک

سمجھ بیٹھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بھی ان سے خائف اور مرعوب ہے ع
بہیں تفاوت رہ از کجاست تا بجا

کاش یہ لوگ دین کو اس کی اصلی حالت پر رہنے دیتے اور خدا تعالیٰ کے کام کو اپنے
ہاتھ میں لینے کی جرأت نہ کرتے تو نہ یہ خود تکلیف میں پڑتے نہ لوگوں کے ایمان خراب ہوتے
اور نہ دشمنوں کو اسلام پر ہنسی اور ٹھٹھا کرنے کا موقع ملتا۔ اور نہ یہ ضلوا و اضلوا کی ع
میں داخل ہو کر خدا کے غضب کو بھڑکا لیتے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ یہی لوگ جو گڑیاں کھیلنے کا نام مشرک رکھتے اور حضرت عائشہ رض اور
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بالواسطہ زبان طعن دراز کرتے ہیں قرآن کریم میں جب انی
ا خلقکم من الطین کھینٹنے الطیر فانھن فیہ فیکون طیراً باذن اللہ راکل عمران
(ع) پڑھتے ہیں تو اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ میں مٹی سے پرندے بنا کر ان میں بھونکتا ہوں
تو وہ اللہ کے حکم کے ماتحت پرندے ہو جاتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ اگر مثال بنانی شرک ہے
تو پھر کیا مسیح علیہ السلام جو ان کے خیالوں کے مطابق پرندے بنایا کرتے تھے مشرک تھے؟
اگر مسیح علیہ السلام پرندے بنائیں اور ان کو اڑا اڑا کر دکھائیں تو وہ مشرک نہ بنیں اور خود
نی ہو کر ایسی کھیلوں میں مشغول رہیں (حاشا وکلا و نعوذ باللہ من ذلک) تو ان کی ہتھک نہ ہو
لیکن حضرت عائشہ رض اگر بچپن کی عمر میں گرہ یوں سے کھیلیں تو یہ مشرک ہو جائے اور رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان کو نہ روکیں تو اس سے آیت ان الشریک لظلم عظیم۔ نعوذ باللہ من
ذلک باطل ہو جائے۔

پھر یہ لوگ قرآن کریم میں پڑھتے ہیں کہ یعملون لہ ما یشاء من ہماریب و تمائیل
وجفان کا جواب و قد ورا سیات اعملوا ال داؤد شکرا و قلبل من عباد
الشکور۔ (سباغ) یعنی حضرت سلیمان کیلئے وہ لوگ ان کی مرضی کے مطابق قلعے اور
مجھے حیوانوں کے اور بڑے بڑے برتن حوضوں کی طرح کے اور بڑی بڑی دیگیں جو ایک جگہ
نکی رہتی تھیں۔ اسے داؤد کی اولاد شکر گزار سی سے گزر کر داؤد سے بندوں میں تھوڑا
ہیں جو شکر گزار ہیں لیکن باوجود اس کے پڑھنے کے ہر ایک قسم کا مجسمہ بنا کر مشرک قرار دیتی ہیں اگر ہر ایک قسم کا

بنا نا شرک ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ کیسا احسان ظاہر فرماتا ہے کہ تمہارے لئے ایک قوم جانداروں کے مجھے بنایا کرتی تھی۔ اس صورت میں تو یہ ایک غضب بجاتا ہے نہ کہ احسان۔

مگر افسوس کہ یہ لوگ قرآن کریم کو آنکھیں بند کر کے پڑھتے ہیں اور دلوں پر غلاف چڑھا کر پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی سمجھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے اور یہ اسی طرح کورے کے کورے اس سے نکل جاتے ہیں۔ گویا کہ انہوں نے اسے پڑھا ہی نہیں۔

مصنف ہفواٹنے شرک کی تعریف میں ذی روح کی تصویر کو شامل کیا ہے حالانکہ قرآن کریم میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسبت آیا ہے کہ وہ تماشیل بنواتے تھے اس لفظ تماشیل کے معنوں میں خصوصیت کیساتھ ذی روح چیزوں کے مجھے داخل ہیں حتیٰ کہ بعض لوگوں کے نزدیک تو تماشیل کہتے ہی ذی روح چیز کے مجھے کو ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت تماشیل بنانی جائز ہوتی ہوگی شرک ان گناہوں میں سے نہیں ہے جو وقتاً فوقتاً بدلتا رہے اللہ تعالیٰ کی توحید اور تفرید کا ظہور اسی طرح ابتداء میں ضروری تھا جس قدر کہ آجکل ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر قسم کی تماشیل بنانی منع نہیں ہے بلکہ ایسی ہی صورتیں ناجائز ہیں جن کے نتیجے میں شرک پیدا ہو جائے۔ اور اس کا احتمال ہوتا ہے یا ایسی صورتوں میں تصاویر کا استعمال منع ہے جہاں شرک کے علاوہ کچھ اور اخلاقی امور مد نظر ہوں ورنہ ان کے سوا اگر کسی اور غرض کے پورا کرنے کے لئے تصویر یا تماشیل ہو تو وہ منع نہیں ہے جیسے بچوں کے کھیلنے کے لئے کھلونے بنادئے جاتے ہیں یا گڑیاں یا اور اسی قسم کی چیزیں ان چیزوں کا تو وجود ہی ان کی جقارت کیلئے ہوتا ہے۔ ان سے شرک کا احتمال کب ہو سکتا ہے؟ یا آج تک دنیا میں کبھی ان چیزوں سے شرک ہوا ہے؟ ادنیٰ سے ادنیٰ اقوام میں بھی کہی گڑیاں اور کھلونوں کے سبب سے شرک پیدا نہیں ہوا۔ ہاں بزرگوں اور صلحا اور قومی لیڈروں کی تصاویر یا ان کے مجسموں یا اخلاق یا مخفی طاقتوں کی خیالی تصاویر یا مجسموں سے بے شک شرک پیدا ہوتا ہے اور ہوتا ہے۔ پس ان چیزوں کی تصویریں بنانی یا ان کے مجسمہ بنانے یا شرک ہیں یا شرک کے پیدا کرنے کا نیکام موجب اور ان سے بچنے اور احتراز رکھنے کا شریعت

اسلام حکم دیتی ہے۔

اسکے علاوہ شرک کے خیال سے نہیں بلکہ بعض اور مختلف وجوہ کی بنا پر خاص خاص موقعوں پر تصاویر کے استعمال کو ناپسند کیا گیا ہے۔ جیسے مثلاً تصاویر حیوانات کی جو ایسی جگہوں پر لٹکائی جائیں جہاں عبادت کی جاتی ہے۔ خواہ گھروں میں خواہ مساجد میں اور ایسے موقعوں پر صرف تصویریں ہی نہیں بلکہ ہر ایک چیز جو ایسی زینت کی ہو کہ توجہ میں یکسوئی نہ رہنے دیتی ہو اور عبادت کی سادگی میں خلل انداز ہوتی ہو۔ منع ہے۔ کیونکہ گو وہ شرک پیدا کرتی ہو مگر ایک نیک کام میں روک ہوتی ہے جیسے کہ باجہ وغیرہ عبادت کے وقت بجانا درست نہیں ہے۔ وہ شرک کا موجب نہیں ہیں لیکن ان سے عبادت کی حقیقت میں فرق پڑتا ہے۔ برخلاف اسکے گڑیوں کی کھیل ایک نہایت متفید کھیل ہے اور اس سے لڑکیاں سینے پر رونے اور امور خانہ داری کی تعلیم نہایت سہولت سے اور بلا طبیعت پر بوجھ پڑنے کے حاصل کر لیتی ہیں۔

روزے میں زبان چوسنا

ایک اعتراض مصنف ہفوات نے یہ کیا ہے کہ سنن ابو داؤد کی کتاب الصوم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت درج ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبلہا ویصالحہا ویعصمہا لسانہا۔ ترجمہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بوسہ دیا کرتے تھے در آنحالیکہ آپ روزہ دار ہوتے تھے اور اسی طرح آپ ان کی زبان چوستے تھے۔

اس پر مصنف ہفوات یوں اعتراض کرتے ہیں۔ ”آخر حضرت کے ارشاد ماعبدنا لا حق عبادتنا کو ہم مقام تواضع و انکسار میں سمجھتے تھے لیکن روزہ میں زبان چوسنے سے معلوم ہوا کہ اپنے اپنی عبادت کی واقعیت بیان کی ہے۔“ ایمان سے بولو کیا خدا کے رسول روزہ میں ایسا فعل کر سکتے ہیں؟ کیا ایسا رسول امت کی ہدایت کر سکتا ہے؟ الہی تو بہ ثوبہ۔“

یہی اعتراض مصنف ہفوات نے صفحہ ۲۵-۱ ایڈیشن اول و صفحہ ۷۰ ایڈیشن ثانی پر بعنوان ”طغیان در تقبیل و مباشرت رسول بہ صوم“ درج کیا ہے۔ میں اسکو بھی اس اعتراض کے ساتھ شامل کر لیتا ہوں کیونکہ اعتراض ایک ہی قسم کا ہے۔ اس پر مگر مصنف ہفوات نے بخاری

کتاب الصوم باب المباشرة للصائم کی یہ حدیث صحیح کی ہے عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقبل ویبایشر وهو صائم حضرت عائشہ فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے تھے اور مباشرت بھی کر لیا کرتے تھے۔

اس حدیث پر صاحب ہفتاوت نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ”باب اول میں ہم لکھ چکے ہیں کہ بحالت صوم اپنی زوجہ کا بوسہ لینا حرام نہیں لیکن مکروہ ضرور ہے پس پیغمبر معصوم کا فعل مکروہ اختیار کرنا عقل سے بعید ہے اپنی قبیل کے بنو زحیا راوی نے مباشرت کا لفظ کہا ہے۔ جو بحالت صوم بمعنی اقرب بواقعت ہوا اور وہ حرام ہے نتیجہ رسول مرتکب حرام ہوئے اہذا رسالت سے موقوف ہے۔ اس کے بعد باب القبلة للصائم میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل بعض اذ واجہ وهو صائم۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کا بحالت صوم بوسہ لے لیا کرتے تھے۔

صاحب ہفتاوت کے تمام اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ بحالت صوم زبان چوسنا بوسہ لینا مباشرت کرنا حرام یا مکروہ ہے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا پس یہ احادیث شرارت کے بنائی گئی ہیں اور کتب احادیث سے انکا اخراج ضروری ہے۔

اخراج و احرار کے متعلق تو میں پہلے جواب دے چکا ہوں اس جگہ صرف نفس حدیث کے متعلق جو اعتراض مصنف ہفتاوت نے کیا ہے اسکا جواب لکھتا ہوں۔

پہلا اعتراض مصنف ہفتاوت کو یہ ہے کہ ابو داؤد کی روایت میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان چوسکتے تھے۔ یہ آپ کی ذات پر حملہ ہے۔ اگر مصنف ہفتاوت اعتراض کرنے سے پہلے کتب اہل سنت والجماعت کو دیکھ لیتے تو ان کو اس اعتراض کے پیش کرنا ہی ضرورت ہی نہ رہتی لیکن یا تو انہوں نے بوجہ تعصب یا جہالت ان کتب کو دیکھا ہی نہیں یا دیدہ و دانستہ نظر انداز کر دیا ہے۔ ابو داؤد کی شرح عون المعبود جلد ثانی صفحہ ۲۸ پر اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔ قال فی المرقاة فیہ ان ابتلاع ریق الغیر یقطر اجماعاً واجباً علی تقدیر صحة الحدیث۔ . . . انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یمصقہ ولا یمتلعہ یعنی قناتہ میں لکھا ہے کہ دوسرے کا حلقہ کی ٹنگنا بالاجماع روزہ توڑ دیتا ہے اور اس حدیث کے متعلق

بالاجماع کہا جاتا ہے کہ اگر یہ درست فرض کر لیجائے تو اس کی یہ تاویل کی جائیگی کہ رسول کریم صلعم
تھوک نکلنے نہیں تھے بلکہ پھینک دیتے تھے۔ اس جواب کے ظاہر ہے کہ اہل سنت و الحدیث اس حدیث کو
قابل قبول ہی نہیں سمجھتے اور اگر اسکو صحیح فرض کر لیں تو اسکا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس صورت میں
یہ تاویل کرنی پڑیگی کہ رسول کریم صلعم تھوک پھینک دیتے تھے۔ پس جب ائمہ حدیث کے نزدیک یہ
حدیث ہی قابل قبول نہیں اور بصورت صحت قابل تاویل ہے تو اسپر اعتراض کیا کیا کسی
شخص پر اس امر کے متعلق بھی اعتراض ہو کرتا ہے جسے وہ مانتا ہی نہیں۔ اگر کہا جائے کہ پھر
انہوں نے اس حدیث کو درج کیوں کیا ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہو کہ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں
کہ مؤلفین حدیث ہر حدیث جسے وہ نقل کرتے ہیں اس کے مطلب کو صحیح قرار دیکر اسے درج نہیں کرتے
بلکہ اس کے لئے ان کے اور اصول ہیں اور بسا اوقات وہ ایک حدیث درج کرتے ہیں اور خود ان کو اس کے
مطلب کے اختلاف ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض دفع وہ ایک ہی جگہ متضاد مضامین کی روایات لاتے
ہیں اور یہ بات صرف اہل سنت والجماعت کی ہی کتب حدیث میں نہیں ہے بلکہ اہل شیعہ کی
کتب حدیث میں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے چنانچہ آپ لوگوں کی سب سے معتبر کتاب فروع کافی ہے
باب الرجل یجامع اہلہ فی السفر میں امام ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے عمر بن یزید اور سہل بن
ابیہ اور ابو العباس سے ایسی روایات درج ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ رمضان میں جو شخص
سفر پر ہوا اسے جماع جائز ہے۔ عمر بن یزید کی روایت کے الفاظ یہ ہیں اللہ ان یرحب من
النساء قال نعم یعنی کیا اسے جائز ہے کہ اپنی بیوی سے صحبت کرے فرمایا ہاں۔ مگر اسی جگہ سہل بن
ابن سنان نے انہی امام ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت درج کی گئی ہے کہ ایسا کرنا بالکل
درست نہیں اور راوی کے اعتراض کرنے پر کہ جب اسکو کھانا پینا جائز ہے تو جماع کیوں جائز
نہیں؟ انکی طرف سے یہ دلیل بیان کی گئی ہے۔ ان اللہ دخص للمساقر فی الا فطار والتقصر

رحمۃ وتخفیف الموضع التعب والنصب ووعت السفر ولم یخص لہ فی مجامعة النساء
فی السفر بالہما فی شہر رمضان یعنی اللہ تعالیٰ نے مسافر کو افطار اور قصر نماز کی اجازت
نشان اور تکلیف اور سفر کی کوفت کی وجہ سے دی ہے لیکن اسے دن کے وقت سفر میں رمضان
کے مہینہ میں عورتوں سے جماع کرنیکی اجازت نہیں دی۔ ان دونوں حدیثوں میں کس قدر اختلاف ہے

ایک میں جماع کو جائز قرار دیا ہے دوسری میں بالکل رد کیا ہے۔ اور دونوں روایتیں ایک کتاب حارث میں درج ہیں اور ایک ہی راوی سے درج ہیں اور بالکل پاس پاس درج ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجہول چوکے ایسا نہیں ہوا بلکہ مصنف نے جان بوجھ کر ان کو ایک جگہ جمع کیا ہے تا روایات کا اختلاف پڑھنے والیکے سامنے آجائے۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ مصنف دونوں باتوں کا ایک ہی وقت میں تو قائل نہیں ہو سکتا۔ ضرور ہے کہ وہ دونوں باتوں میں سے ایک کو ترجیح دیتا ہو گا مگر باوجود اسکے وہ درج دوسری روایت کو بھی کر دیتا ہے۔

اسی طرح روزہ میں خوشبو سونگھنے کے متعلق مختلف روایتیں فروغ کافی میں درج ہیں خالد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابو عبد اللہ رحمہ روزہ میں خوشبو لگاتے اور اسے تحفہ خداوندی قرار دیتے۔ حسن بن راشد امام ابو عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ خوشبو کا سونگھنا روزہ میں منع ہے۔ جلد اول صفحہ ۳۷۶ باب الطیب والریحان للمصائم۔

غرض ہر ایک روایت جو مؤلف حدیث اپنی کتاب میں درج کرتا ہے اسکی صحت کا وہ قائل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اس حدیث کے مخالف رائے رکھتا ہے اور اس حدیث کو متروک یا منسوخ یا ضعیف یا ناقابل احتجاج سمجھتا ہے پس ابو داؤد میں اس روایت کے درج ہونے کے معنی انہیں کہ ابو داؤد اس کو صحیح سمجھتے تھے اسلئے انہوں نے اس روایت کو درج کیا تھا۔

دوسرا جواب مصنف ہفوات کے اعتراض کا یہ ہے کہ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ابو داؤد نے اس حدیث کو صحیح سمجھ کر لکھا ہے تب بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا اسلئے کہ یہ مسئلہ اخلاقی نہیں ہے بلکہ شرعی ہے شرعی مسائل روایت سے ثابت ہوتے ہیں نہ کہ روایت سے پس اگر کسی شخص کو کسی شرعی حکم کے متعلق جو اخلاق سے تعلق نہ رکھتا ہو کوئی روایت پہنچے اور وہ اسے درج کر دے تو اس سے یہ کیونکر سمجھا جائیگا کہ اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے اہل سنت شیعوں پر اسلئے اعتراض کریں کہ ان کے نزدیک پاؤں پر مسح کیا جاتا ہے اور ان روایات کی بنا پر جو ان کے نزدیک ثابت ہیں اور جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ننگے پاؤں سے نہ دھونے سے وضو ہی باطل ہو جاتا ہے اور نماز ہی نہیں پڑھتی یہ کہہ دیں کہ دیکھو شیعہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ وضو کرتے تھے اور نہ نماز

پڑھتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک آپؐ وضو میں پاؤں نہ دھوتے تھے۔ کیا یہ اعتراض سینوں کا درست ہوگا؟
 اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے اعتراض اخلاقی مسائل اور عقلی مسائل کے متعلق ہوا کرتے ہیں
 نہ کہ شرعی مسائل کے متعلق فرض کرو کہ روزہ میں بعض ہلکی غذاؤں کا کھانا جائز ہوتا تو کیا دشمنان اسلام
 اس پر اعتراض کر نیکا کوئی حق رکھتے تھے کہ یہ ایک خلاف اخلاق بات ہے۔ یا مثلاً ظہر کی رکعتیں
 بجائے چار سے تین ہوتیں تو کیا اس پر کوئی یہ اعتراض کر سکتا تھا کہ یہ بد اخلاقی ہو گئی۔ پس اسی طرح اگر
 کسی شخص کے نزدیک یہ ثابت ہو کہ زبان چوڑی جائز ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا
 کرتے کرتے تھے تو اس پر یہ تو اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں یا یہ کہ دوسری احادیث کی
 خلاف ہو یا یہ کہ اس نے ایک غلط روایت کو بیان کر دیا ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہرگز نہیں کیا جاسکتا
 کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت یا آپ کے اخلاق پر کوئی اعتراض کیا ہے ایسے موقع پر
 یہ اعتراض کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک انسان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اس قسم کی شہین
 جب پڑھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے موقع پر کوئی بچہ اٹھایا یا اسکو اتار دیا یا اس قسم کا
 کوئی کام کیا تو بے اختیار بول اٹھا کہ خود محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نماز ٹوٹ گیا۔ کیونکہ کنز
 میں لکھا ہے کہ حرکت کرنے سے نماز ٹوٹ جاتا ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ میرے نزدیک اس حدیث کو درست سمجھ کر بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا
 کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دیمص لسا تھا علیہ وجہ یعنی راوی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ دو باتیں
 سنی ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ میں بوسہ لے لیا کرتے تھے اور یہ کہ آپ اپنی ازواج کی زبان بھی پیات
 میں چوس لیا کرتے تھے اور اس نے ان کو ایک ہی جملہ میں بیان کر دیا۔ حالانکہ اس کا مطلب یہ نہ تھا
 کہ آپ بحالت صوم ایسا کیا کرتے تھے۔ پس اس تاویل سے اس حدیث کا مطلب بالکل صاف
 ہو جاتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت روزہ میں بوسہ لینا
 اور پیار سے زبان کا چوسنا ثابت ہوتا ہے افطار میں نہ کہ روزہ میں۔

اگر کہا جائے کہ اگر روزہ کی حالت میں ایسا نہیں کیا گیا تو پھر اسکے بیان کرنے کی کیا ضرورت
 تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اسوہ تھے تمام مسلمانوں کے لئے اس لئے
 آپ کی ہر ایک حرکت کو مسلمان غور سے دیکھتے اور جو نہ معلوم ہوتی اس کے متعلق دریافت کرتے تاہی

زندگیوں کو اسکے مطابق بنائیں۔ اسوجہ سے آپکی تمام باتیں احادیث میں بیان کی جاتی ہیں حتیٰ کہ یہاں تک کہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ پیار سے کبھی اسجگہ گلاس پر منہ رکھ کر پانی پیتے جہاں منہ رکھ کر آپکی ارواح مطہرات میں سے کسی نے پانی پیا ہوتا۔ اور غرض ان احادیث کے بیان کرنے کی یہ ہے کہ تالوگ عورتوں سے حسن معاشرت کریں اور انکے احساسات اور جذبات کا خیال رکھیں اور ان کے حقوق کو غصب اور انکی خواہشات کو باطل نہ کریں۔

دوسرا اعتراض مصنف ہفوات کا یہ ہے کہ ان احادیث میں یہ بات لکھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ میں بوسہ لیدیا کرتے تھے اور یہ بات مصنف ہفوات کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور مکروہ فعل رسول نہیں کر سکتا۔

مجھے تعجب پر تعجب ان مسلمان کہلانہوالوں پر آتا ہے جو اپنے پاس سے شریعت بھی بنائے لگتی ہیں۔ یہ کب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روزہ میں بوسہ لینا مکروہ ہے؟ یا آپ کی کس بات سے یہ امر مستنبط ہوتا ہے؟ خود ہی ایک مسئلہ گھڑا اور خود ہی اسے رسول پر حاکم بنا دیا جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں مسائل اخلاقیہ ہی صرف ایسے مسائل ہیں کہ جن میں استنباط اور قیاس درست ہے لیکن تفاصیل شرعیہ ہمیشہ سند سے معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن مصنف صاحب ہفوات کا معاملہ بالکل الٹ ہے وہ اپنی عقل سے ایک مسئلہ تجویز کرتے ہیں اور اس سے نص صریح کو رد کر دیتے ہیں اور نص بھی وہ کہ جو عقل سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ تفاصیل شریعت سے تعلق رکھتی ہے۔ کل کو آپ کہہ نیگے کہ ظہر کے وقت جب کام کا یا آرام کا وقت ہوتا ہے۔ ظہر کی چار رکعت قرار دینا خلاف عقل ہے اصل میں دو چاہئیں اور فلاں حدیث میں جو یہ آتا ہے کہ رسول کریم صلعم چار رکعت ظہر کے فرض ادا کیا کرتے تھے اس میں رسول کریم پر حملہ ہے کہ گویا آپ دو کی بجائے چار پڑا کر اپنی نماز فاسد کر دیتے تھے۔ پس ان محدثین نے رسول کریم صلعم پر ایک ظلم عظیم کیا ہے اور ایسی سب احادیث اور روایات قابل احراق اور اخراج اور تفسیح اور محدثین قابل تکفیر و تہقیر ہیں۔ برائیں عقل و دانش بیاہر گریست۔

بوسہ کو روزہ میں مکروہ قرار دینا علماء کا اجتہاد ہے اور وہ اجتہاد بھی مشروط یعنی روزہ میں جو ان کو بوسہ لینا مکروہ ہے کیونکہ وہ اپنے نفس پر قابو نہیں پاسکتا ممکن ہے کہ کسی ایسی بات

میں مبتلا ہو جائے جو شرعاً ناجائز ہے۔ اور اس فتویٰ میں شبیہ سنتی دونوں متفق ہیں۔ مؤطا میں
عبدالمدین عباس رحمہ اللہ کا فتویٰ درج ہے کہ ارخص فیہا للشیخ ذکرہا للشباب۔ انہوں نے روزہ
میں بوڑھے کیلئے بوسہ لینا جائز قرار دیا اور جوان کیلئے منع کیا۔ عبدالمدین عمر رحمہ اللہ کا فتویٰ درج
ایک ہے کہ بوسہ لینا دونوں کیلئے منع ہے مگر چونکہ وہ بلا قید ہے اسلئے نہیں کہہ سکتے کہ ان کا فتویٰ
عام تھا یا جوانوں کے متعلق۔ امام ابو حنیفہ کا فتویٰ جو ہدایہ میں لکھا ہے یہ ہے ذکا باس بالقبلة
اذا امن علی نفسه ویکره اذا المریامن یعنی جب اپنی نفس پر قابو رکھتا ہو تو جائز ہے اور اگر
اپنے نفس پر قابو نہ رکھتا ہو اور خطرہ ہو کہ حد شریعت کو توڑ ڈالے گا تو مکروہ ہے۔ شافعیہ کا بھی یہی
فتویٰ ہے کہ تکرہ القبلة للصائم الذی لا یحکم علیک اربہ یعنی اسکے لئے بوسہ لینا مکروہ ہے جو
اپنی شہوت پر قابو نہیں رکھتا بلکہ امام شافعی کا قول تو یہ ہے کہ بوسہ لینا ہر حالت میں جائز ہے
اگر اس سے بڑھکر کوئی شخص کوئی عمل خلاف شریعت کر بیٹھتا ہے تو اس کی سزا وہ الگ پائیگا۔
یہ تو اہل سنت کی فتویٰ ہیں جن سے ظاہر ہے کہ بوسہ لینا روزہ میں مکروہ نہیں بلکہ اسکے لئے مکروہ ہی
جو جوان ہو اور اپنی شہوت پر قابو نہ رکھتا ہو۔ اب بقی اہل شبیہ کا فتویٰ درج کرتا ہوں۔

فروع کافی جلد اول میں زرارہ کی ایک روایت امام ابو عبد اللہ سے درج ہے کہ لا تنقض القبلة
الصوم یعنی روزہ بوسے سے نہیں ٹوٹتا، اسی طرح منصور بن حازم سے روایت ہے کہ یمنی لوعبد
سے پوچھا ما تقول فی الصائم یقبل الجارية او المرأة فقال اما الشیخ الکبیر مثلی ومثلی
فلا بأس واما الشاب الشبق فلا لانه لا یسومن والقبلة احادی الشہوتین۔ ترجمہ۔
آپ اس روزہ وار کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو لڑکی یا عورت کا بوسہ لے لے؟ آپ نے فرمایا بوڑھا جیسے
تو یا میں ہوں اگر بوسہ لے تو کچھ حرج نہیں اور اگر جوان ہو تو شہوت پر قابو نہ پاسکتا ہو تو اسے
بوسہ لینا نہیں چاہئے کیونکہ وہ محفوظ نہیں اور بوسہ بھی ایک شہوت ہے۔ یعنی اس سے چونکہ شہوت
پیدا ہوتی ہے اور وہ شخص شہوت پر قابو نہیں رکھتا اسلئے ڈر ہے کہ اس قدم کے اٹھانے سے
دوسرا بھی اٹھالے (فروع کافی جلد اول صفحہ ۳۷۳)۔

مذکورہ بالا فتوؤں سے جو سینوں اور شیعوں کے ہیں ثابت ہے کہ روزہ دار کو بوسہ لینا یا
تو جائز ہے مگر ایسی حالت میں منع ہے جب اس سے شریعت پر جائز کا خطرہ ہو اور بوڑھا چونکہ

بظاہر اسن شریعتیں پڑنے سے محفوظ ہوتا ہے اسکے لئے انہوں نے جائز رکھا ہے کہ بوسہ لیلے۔ ان فتوؤں کی موجودگی میں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رسول کریم صلعم کے عمل کی موجودگی میں مصنف ہفتوات کا یہ لکھنا کہ یہ ایک مکروہ فعل ہے اور رسول مکروہ فعل نہیں کر سکتا۔ کیا یہی دلالت نہیں کرتا کہ مصنف ہفتوات اپنے فتویٰ پر خدا کے رسول کو بھی چلانا چاہتے ہیں اور خود شریعت بنانے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مابینہ میں جب تشریف لیگئے ہیں اسوقت آپ کی عمر پچاس سے متجاوز ہو گئی تھی پس اگر فتویٰ یہی سمجھا جائے کہ بوڑھے کو بوسہ لینا جائز ہے جو ان کو نہیں تو بھی آپ کی طرف اس قسم کا عمل منسوب کرنا فتویٰ کے خلاف نہیں۔ اور مصنف ہفتوات کے مقرر کردہ معیار کے مطابق بھی محل اعتراض نہیں۔ اور اگر اس امر کو دیکھا جائے کہ یہ محل اس شخص کی نسبت بیان کیا گیا ہے جو خدا کے سامنے مقام شہود پر کھڑا تھا اور مقام شہود میں سے بھی سدرۃ المنتہی پر بار یا بھچکا تھا تو پھر تو یہ اعتراض اور بھی لغو ہو جاتا ہے۔ آپ تو عین عنفوان شباب میں بھی اس فتویٰ کے ماتحت نہیں تھے کیونکہ آپ سے زیادہ کون شخص اپنی شہوات پر قابو رکھنے والا تھا خواہ جو ان ہو خواہ پیر فروت مصنف ہفتوات کے اعتراض کے تو یہ معنی ہیں کہ گویا لغو بالمدن ذلک سب سے زیادہ رسول کریم شہوات میں بڑ جانیکے محل تھے۔ اسلئے آپ کو تو اس فعل کے قریب ہی نہیں جانا چاہئے تھا حالانکہ اس نہی کا باعث آنحضرت صلعم کے قطعی طور پر منقطع تھا اور آپ اس سے بالکل محفوظ تھے شاید مصنف ہفتوات اس موقع پر یہ کہیں کہ گو رسول کریم کی عمر زیادہ ہو گئی تھی مگر آپ بہت قوی تھے اسلئے آپ کے لئے یہ فعل درست نہیں ہو سکتا تھا مگر اول تو اس اعتراض کا جواب مذکورہ بالا بات میں آچکا ہے کہ آپ کی نسبت تو نہی کی علت جوانی میں بھی ثابت نہیں اسلئے آپ کے لئے کوئی شرط نہیں کہ آپ بڑھاپے میں ایسا کریں اور جوانی میں نہیں لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ مسئلہ شرعی ہے نہ کہ ایک احتیاطی حکم تب بھی اعتراض نہیں پڑ سکتا کیونکہ فتویٰ کے رو سے بوڑھے کی شرط ہے نہ کہ مضبوط بوڑھے یا کمزور بوڑھے کی۔ امام ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ جن کا فتویٰ کافی میں درج ہے خود اپنی نسبت جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کمزور بوڑھے نہ تھے بلکہ مضبوط بوڑھے تھے۔ مذکورہ بالا حدیث کی آخری حصہ میں آتا ہے کیف انت والنساء قلت

فلا شئ قال ولكني يا ابا حازم ما اشاء شيئا ان يكون ذلك مني الا فعلت - ترجمہ -
(امام ابو عبد اللہ راوی سے پوچھتے ہیں) تیرا عورتوں کے متعلق کیا حال ہے؟ میں نے کہا بالکل طاق
ہوں فرمایا لیکن اے ابا حازم میں جو کچھ بھی چاہوں عورتوں سے کر لیتا ہوں یعنی میری طاقت بالکل
محفوظ ہے پس معلوم ہوا کہ امام عبد اللہ کے نزدیک روزہ میں بوسہ لینا ہر ایک بوڑھے کو جائز ہے
نہ کمزور اور ناقابل بوڑھے کو۔

خلاصہ کلام یہ کہ روزہ دار کیلئے بوسہ لینا ہرگز منع نہیں ہے احادیث اور ائمہ اہل سنت
و اہل شیعہ کے فتاویٰ اس کے مطابق ہیں اور قیاساً اور احتیاطاً ایسے جو ان کیلئے جس کو اپنے
نفس پر قابو نہ ہو اس امر کو روک دیا گیا ہے ورنہ یہ شرعی حکم نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض مصنف ہفوات سنگا یہ ہے کہ حدیث میں جو یہ آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے روزہ میں اپنی بیویوں سے مباشرت کی اور یہ ایک سخت گنہ ہے۔ کیونکہ مباشرت اقرب بالجماع
ہے جو بالکل حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے ان جہلاء پر جو بلا اسکے کہ خدا اور رسول کے کلام کو
سمجھنے کی قابلیت رکھتی ہوں مذہب کے امور میں فقیہ بن جاتے ہیں اور اپنی نا سمجھی اور نادانی سے
دین کے مسائل کو نہ سمجھ کر ان کے احرام و اخراج کا فتویٰ دیدیتے ہیں۔ مباشرت کا لفظ جس سے
صاحب ہفوات کو دھوکا لگا ہے وسیع معنی رکھتا ہے۔ اسکے معنی عورت کو ہاتھ لگانے اور اس کے
ساتھ چھونے کے بھی ہیں۔ اور اسکے معنی جماع کے بھی ہیں۔ لسان العرب میں لکھا ہے ومباشرۃ
المسرة ملاہ مستہاد قد یرد یجمعۃ الوطی فی الفرج وخارجا منها۔ عورت سے مباشرت
کرنا اس سے چھونے کو کہتے ہیں۔ اور کبھی اسکے معنی جماع کے بھی ہوتے ہیں۔ پھر صاحب لسان اس
حدیث کی نسبت لکھا ہے۔ و فی الحدیث انہ کان یقبیل ویبشر وہو صائم اراد بالمباشرة
الملاہمسۃ۔ یعنی حدیث میں جو آیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے اور
مباشرت کرتے تھے اس سے مراد چھونا اور ہاتھ لگانا ہے نہ کچھ اور۔ لسان العرب لغت کی کتابوں میں
سے اہم ترین کتاب ہے اور اس کی شہادت کے بعد کبھی کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں صرف اس قدر
نصیحت کر دینا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ انسان کو اعتراض کرتے وقت اس امر کو ضرور مد نظر
رکھنا چاہئے کہ وہ ایسی بات نہ کہو جو قائل کے منشاء کے خلاف ہو۔ اور اگر دل سے انسان

تو کم سے کم ایسی بات تو نہ کہے جس کا بطلان بالبداهت ظاہر ہو۔ کیونکہ اس قسم کی باتوں کا لکھنا اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ لکھنے والا اپنی عداوت میں حد سے بڑھا ہوا ہے اور جنکے فائدے کیلئے وہ بات کہتا ہے ان پر اسکی حرکت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ انکے دل ایسے شخص کی نسبت جذبہ حقارت و نفرت سے بھر جاتے ہیں۔

میں مصنف ہفتوات کی طرز تحریر سے سمجھتا ہوں کہ ان پر کوئی نصیحت جو غیر کے منہ سے نکلی ہوئی ہو اثر نہیں کر سکتی اسلئے میں انہی کی مسئلہ کے حوالہ سے بتاتا ہوں کہ مباشرت حرام نہیں ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں بلکہ جائز ہے۔ اور یہ بھی کہ مباشرت کے معنی کسی ایسی حرکت کے ہی نہیں ہیں جو جماع کے مشابہ ہو بلکہ اس سے مراد صرف عورتوں کا چھوٹا یا ان کے پاس بٹھینا بھی ہے۔ فروع کافی جداول کتاب الصیام میں ایک باب ہے باب الصائم یقبل او یمامش یعنی اس امر کے متعلق باب کہ روزہ دار بوسہ دے یا مباشرت کرے۔ اور آگے یہ حدیث لکھی ہے عن الحلبي عن ابی عبد اللہ علیہ السلام انه سئل عن رجل میس من المرأة شیئا یفسد ذلک صومه او ینقضه فقال ان ذلک بیکرہ للرجل الشاب مخافۃ ان یسبقہ المنی یعنی حلبی نے امام ابو عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے ایک ایسے شخص کے متعلق پوچھا کیا جو عورت کو کسی طرح چھوتا ہے کیا اسکا روزہ ٹوٹ جائیگا یا خراب ہو جائیگا؟ فرمایا یہ بات نوجوان کیلئے مکروہ ہے اس ڈر سے کہ اس کی منی خارج نہ ہو جائے اس حدیث سے دو باتیں ظاہر ہیں ایک تو یہ کہ مباشرت کے معنی عورت کو چھونے کے ہیں نہ کہ کچھ اور کیونکہ مباشرت کا باب مقرر کر کے عورت کے چھونے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ مباشرت حرام نہیں بلکہ جو ان کیلئے مکروہ اور بوڑھے کیلئے جائز ہے اور جو ان کے لئے بھی اس ڈر سے مکروہ ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو روزہ کے ٹوٹنے کا موجب ہو۔ لیکن اگر یہ وجہ کسی میں نہ پائی جائے تو کراہت کی پھر کوئی وجہ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو وجہ بتائی گئی ہے وہ کسی بیمار میں ہی پائی جاسکتی ہے تندرست اور صحیح القوی آدمی کے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوتا جو بیان کیا گیا ہے پس حقیقت کسی کے لئے بھی سوائے قلیل استثنائی صورتوں کے مباشرت منع نہیں رہتی۔ اور مباشرت کو حرام قرار دینا یا تو مصنف ہفتوات کی جہالت پر یا شریعت سازی کی حد سے بڑھی ہوئی خواہش پر دلالت کرتا ہے۔

مصنف صاحب ہفوات نے جو مضحکہ اوپر کی روایات بیان کر کے اڑایا ہے اس کا جواب مکمل نہ ہوگا اگر میں اس جگہ کتب شیعہ سے چند ایک روایات درج نہ کر دوں۔ کافی جلد اول صفحہ ۷۳ پر کتاب روزہ میں امام ابو عبد اللہ کا فتویٰ درج ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا عورت کھانا پکاتے ہوئے کھانے کا مزہ روزے میں چکھ سکتی ہے؟ تو انہوں نے کہا لا بأس۔ اس میں کوئی حرج نہیں اور اسی حدیث میں لکھا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا عورت روزہ کی حالت میں اپنے بچہ کو منہ میں کھانا چبا کر دے سکتی ہے؟ تو انہوں نے کہا لا بأس۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اسکے بعد حسین بن زیاد کی روایت لکھی ہے کہ باورچی اور بادرنجن بھی کھانا پکاتے ہوئے کھانا چکھ سکتے ہیں۔ مگر اس سے بڑھ کر یہ کہ مسعد بن صدقة کی ایک روایت امام ابو عبد اللہ سے لکھی ہے کہ حضرت فاطمہؓ اپنے بچوں کو رمضان کے مہینہ میں روٹی چبا چبا کر دیا کرتی تھیں۔ بلکہ ان روٹیوں پر بھی طہرہ وہ روایت ہی جس میں روزہ دار کے لئے پیاس بجھانے کا نسخہ بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابو عبد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ روزہ دار کو پیاس لگے تو اس کے بجھانے کے لئے وہ انگوٹھی منہ میں ڈال کر چوسے۔ یہ سب روایات فروع کافی کے صفحہ ۷۳ پر درج ہیں اور شیعہ صاحبان کے لئے نہایت زبردست حجت ہیں۔ ان روایات کی موجودگی میں اس روایت پر اعتراض جسے خود اہل کفر و اور ضعیف قرار دیتے ہیں مصنف ہفوات کیلئے کب جائز ہو سکتا ہے؟ وہ الیٰ احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے بتائیں کہ بقول ان کے ادنیٰ امتی تو غبار سے بھی بچپن اور حضرت فاطمہؓ کو چبا چبا کر بچوں کو دیں اور خوب لطف اڑائیں۔ آخر منہ میں اس قدر دیر روٹی چبانے سے ایک حصہ تو ان کے پیٹ میں بھی جاتا ہوگا۔

حضرت عائشہؓ کا بے اجازت حضرت زینبؓ کے گھر میں جانا

ایک اعتراض مصنف ہفوات نے یہ کیا ہے کہ ابن ماجہ باب حسن معاشرۃ النساء میں روایت ہے کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ حضرت زینبؓ مجھ سے ناراض ہیں اور میں بے اجازت اندر چلی گئی انہوں نے کہا یا رسول اللہ جب ابو بکر کی بیٹی اپنا کرتہ اٹھ دے تو آپ کو کافی ہے۔

اپنے مصنف ہفوات کو یہ اعتراض اصل ہے کہ (۱) کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقع ایسے ہی تھے

جیسا کہ حضرت زینبؓ نے بیان کیا ہے (۱) کیا حضرت زینبؓ ایسی تھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کریں (۲) کیا حضرت عائشہؓ ایسی ناواقف تھیں کہ بلا اجازت گھر میں گھس گئیں۔

ان تینوں سوالوں میں سے پہلے کا جواب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ایسے نہ تھے کہ آپؐ کے دل پر کسی انسان کی یا کسی مخلوق کی محبت اس طرح حاوی ہو جائے کہ ماسویٰ کو بھلا دے اور نہ حضرت زینبؓ کے قول کا یہ مطلب ہے کہ آپؐ ایسے ہیں بلکہ اصل الفاظ حدیث کے یہ ہیں کہ احسبک اذا قلبت لك بنیۃ ابی بکر ذرا عیہا۔ ترجمہ۔ کیا کافی ہے آپکے لئے کہ جب ابوبکرؓ کی لڑکی اپنی باہوں کو ننگی کرے۔ مصنف ہفوات کیا کے لفظ کو اڑا کر خالی کافی ہے پر کفایت کر لیتے ہیں اور اس پر اعتراض بھی وارد کر دیتے ہیں لفظ کیا ایسے موقع پر کئی معنی دیتا ہے کبھی اس کے معنی تردید کے ہوتے ہیں یعنی ایسا نہیں ہے کبھی اسکے معنی سوال کے ہوتے ہیں کیا یہ بات درست ہے؟ اور کبھی اس کے معنی تعریف کے ہوتے ہیں یعنی ایک شخص کسی کی نسبت کوئی بات کہتا ہے یا سمجھتا ہے تو اس پر طنز کرنے کیلئے ایسے الفاظ کہہ دیئے جاتے ہیں اور کبھی اسکے معنی ایک بات کے اثبات کے بھی ہوتے ہیں یعنی سوال سے مراد کسی امر کا اقرار ہوتا ہے نہ کہ سوال۔ لیکن یہ معنی بعید جہاز کے ہیں اور اسی وقت اسکے یہ معنی کئے جاسکتے ہیں جبکہ اصل معنی یا مجاز قریب کے معنی نہ لے جاسکیں یا قریبہ ان پر شاہد ہو۔

۱۔ سجدہ اسکے معنی حقیقی یا مجاز قریب کے لے جاسکتے ہیں۔ اور وہی بر محل ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ بات کو پھر کر کہیں کا کہیں لجا یا جائے۔ بات صاف ہے کہ حضرت زینبؓ انتہا میں انکاری کے طور پر کہتی ہیں کہ کیا عائشہؓ رض کا اپنی باہوں کو ننگا کر لینا آپؐ کے لئے کافی ہے؟ یعنی ایسا نہیں ہے۔ یہ تمہید باندھ کر وہ آگے اپنا مطلب کہنا چاہتی ہیں جسکے لئے جیسا کہ الفاظ حدیث کے ظاہر ہوتا ہے وہ حضرت عائشہؓ رض سے مخاطب ہو کر باتیں کرتے لگتی ہیں۔

پس یہ اعتراض ہی بالکل لغو ہے کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تھے یا یہ کہ آپؐ کی بیویاں ایسی گستاخ تھیں۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں الفاظ حدیث میں تو اس الزام کی نفی کی گئی ہے۔ پس خود الفاظ حدیث ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نا واجب محبت سے اور ام المؤمنین کو الزام گستاخی سے بری کر رہے ہیں۔ پھر تعجب ہے مصنف صاحب ہفوات کی عقل پر کہ وہ اس سے اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے اور لفظ کیا کو بالکل نظر انداز کر کے اپنا بغض نکالنا چاہتے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کس طرح دین سیکھنے کا حکم تھا بلا اجازت حضرت زینب کے گھر کیوں چلی گئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہرگز زینب کے گھر میں نہیں گئیں پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اعتراض ہی فضول ہے۔ اصل الفاظ حدیث کے یہ ہیں کہ ما علمت حتی دخلت علی زینب بغیر اذن وہی غضبی ثم قالت یا رسول اللہ یعنی مجھے یہ امر نہیں معلوم ہوا حتی کہ زینب کے گھر میں بغیر اذن کے داخل ہو گئیں اس حال میں کہ وہ غضب میں تھیں۔ پھر کہا یا رسول اللہ اس حدیث سے قویہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چلی گئیں نہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت زینب کے گھر میں گئیں۔ مصنف ہفوات کو دھوکا لگا ہے کہ ابن ماجہ کے بعض حواشی میں غلطی سے اسکے اُلٹ معنی لکھے گئے ہیں۔ چونکہ خود ان کو تمیز نہ تھی انہوں نے جھوٹ ان معنوں کو تکرار اعتراض کر دیا۔ کسی عرب کے سامنے اس حدیث کو رکھ کر پوچھو وہ یہی معنی کریگا کہ حضرت زینب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں ہیں نہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کیونکہ ما علمت وہی غضبی اور ثمر کے الفاظ دوسرے معنی کی اجازت ہی نہیں دیتے۔ فقرہ کی بناوٹ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ داخل ہونے والی زینب ہیں نہ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ابن ماجہ مطبوعہ مصر میں بھی اس حدیث کو اسی طرح لکھا ہے جس طرح مینے بیان کیا ہے اور حاشیہ سند ہی میں لکھا ہے وعند عجیبی زینب ظہر لہا تمام الحقیقۃ یعنی زینب کے آنے پر عائشہ رضی اللہ عنہا کو سب حال معلوم ہوا جس سے معلوم ہوا کہ سند صحیح کے نزدیک بھی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زینب رضی اللہ عنہا عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آئی تھیں نہ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئی تھیں۔

ابحکام یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ خواہ زینب رضی اللہ عنہا عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بلا اجازت گئیں یا عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں بہر حال یہ اعتراض تو قائم رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی بلا اذن خلاف شریعت کے طور پر دوسری بیوی کے گھر میں چلی گئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت پڑ سکتا ہے جبکہ حقیقت سے آنکھیں بند کر لی جائیں لیکن ان واقعات کو مد نظر رکھ کر جبکہ ماتحت یہ معاملہ ہوا ہے اعتراض تو پڑتا ہی نہیں یا اس کا وہ وزن نہیں رہتا جو اس کو دیا گیا ہے۔ وہ واقع جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو لوگ ہر ایسا لاتے ہیں وہ اس دن تک انتظار کرتے رہیں

جس دن کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باری ہو اور یہ بات ان کو بطعاً ناگوار گذری۔ اسپر انہوں نے مشورہ کر کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ آپ یہ اعلان کر دیں کہ جو لوگ ہدایا لاتے ہیں سب بیویوں کی باری میں مساوی طور پر لایا کریں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت نہ مد نظر رکھا کریں۔ اس امر کا اعلان اس شخص کی طرف سے جس کے پاس ہدایا آتے ہوں نہایت مخفی طور پر ہدایا لانے کی ترغیب پر بھی مشتمل قرار دیا جاسکتا تھا اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو اخلاق فاضلہ کا نمونہ تھے ایسے اعلان کا کیا جانا کب پسند فرما سکتے تھے۔ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے صاف کہہ دیا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ چونکہ آپ کی بیویاں اس امر کو اور نظر سے دیکھتی تھیں اور اس میں اپنی سبکی خیال کرتی تھیں انہوں نے پھر زور دینا چاہا اور اسی وقت حضرت زینبؓ دوبارہ اس امر کو پیش کرنے کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لائیں۔ اور چونکہ اسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس گھر سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر کے نکلی تھیں انہوں نے اذن لینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور خیال کیا کہ اس عرصہ میں کوئی ایسی صورت نہیں پیدا ہو سکتی جس میں مجھے حجاب کی ضرورت ہو۔ پس اس وقت انکا داخل ہونا ایسا ہی ہے جیسے کسی ایسے گھر میں جس میں سے کہ دوسرے لوگ نکل رہے ہوں کوئی دوسرا شخص اس خیال پر گھس جائے کہ پردہ ہی ہو گا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جس قدر پردہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو سکتا تھا اس سے بہت کم پردہ زینبؓ کو تھا جو آپ کی بیوی تھیں۔ پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے کے بعد انکا اس جوش میں جو اس واقعہ سے ان کی طبیعت میں پیدا ہو گیا تھا بلا اذن اندر چلے جانا ہرگز اس نظر سے نہیں دیکھا جاسکتا جس نظر سے مصنف ہفوات کی آنکھ نے اسے دیکھا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ ایک اجتہادی غلطی تھی

اور بس۔ حضرت عائشہؓ کا حبشیوں کا نالاج دیکھنا

اسکے بعد مصنف ہفوات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ بخاری کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الحجین اور کتاب الجہاد کی بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کا نالاج دکھایا۔ اور یہ کہ آپ کے گھر میں بعض لڑکیوں نے شعر پڑھے مصنف

ہفتوات اسپر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ناحر رسول پر نظر کیوں ڈالی؟ (۲) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کرنا تو الگ رہا خود ان کو ناچ کیوں دکھایا؟ (۳) باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شعر پڑھنے سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ناچ سے روکنے کے آپ نہ سمجھو کہ یہ منع ہے اور فرمایا کہ ناچے جاؤ چونکہ یہ امور آپ کی شان کے خلاف ہیں معلوم ہوا کہ یہ احادیث باطل ہیں۔

یہ سوال کہ گانے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں منع نہیں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شعر خوش الحانی سے پڑھنا اسلام میں جائز ہے۔ اور جب شریعت کے باقی احکام کو جو پردہ اور فحش سے اجتناب کرنیکے متعلق ہیں مد نظر رکھ کر کوئی عورت یا مرد شعر پڑھے تو اسے شریعت باز نہیں رکھتی نہ کہیں قرآن کریم میں نہ حدیث میں یہ مذکور ہے کہ شعر کا خوش الحانی سے پڑھنا حرام اور ممنوع ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین فطرت لیکر آئے تھے اس امر سے کیوں روکتے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو رد کا تو یہ انکا اجتہاد تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ انکو روکنے سے منع فرمادیا تھا معلوم ہوا کہ انکا یہ اجتہاد غلط تھا پس جب شارع نبی ایک امر کو جائز قرار دیتا ہے تو کسی شخص کا حق نہیں کہ عورت یا مرد کو خوش الحانی سے شعر پڑھنے سے روکے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شریعت کے پردہ کے حکم پر عمل کیا جائے اور فحش کلامی سے یا فحش گریٹ توجہ دلانیوالے جذبات سے پرہیز کیا جائے۔ اگر قومی ترانے یا وعظ دیکھنے کی باتیں یا مناظر قدرت کی شہسب یا قومی جذبات کے ابھارنے کے اشعار ہوں یا جنگوں کے واقعات یا تاریخی امور ان میں بیان ہو تو ایسے اشعار کا پڑھنا یا سننا نہ صرف یہ کہ ممنوع نہیں بلکہ بعض اوقات ضروری اور لازمی ہے۔ اور فطرت کے صحیح اور اعلیٰ مطالبہ کا پورا کرنا ہے۔ اور جو شخص اس امر کو ناجائز قرار دینا یا اسے برا مناتا ہے وہ جاہل مطلق ہے اور مذہب اور فطرت کے تعلق اور شریعت کے اسرار سے قطعاً ناواقف ہے اور پھر جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو دیکھ کر بھی یہ کہتا ہے کہ اگر آپ نے اس کی اجازت دی ہو تو اس سے آپ پر اعتراض آتا ہے اس کی مثال اس پٹھان کی سی ہے جسکی نسبت پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اسنے حدیث میں یہ پڑھ کر کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غامضین حرکت کی تھی کہد یا تھا کہ خود محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا۔ کیونکہ کنز میں لکھا ہے کہ حرکت نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ نادان مصنف ہفتوات بھی اس پٹھان کی طرح نہیں جانتا کہ شریعت کے احکام کا بیان کرنا

رسول کا کام ہے نہ مصنف ہفتوات جیسے لوگوں کا جو کوئیں کے مینڈک کی طرح ایک محدود دائرہ میں چکر لگاتے رہتے ہیں اور قانون قدرت کی وسعت اور احکام شریعت کی غرض اور غایت سے ایسے ہی نابلدہ ہیں جیسے کہ ایک جانور اپنیادات النسانیہ سے خدا کے رسول نے جب ایک کام کر کے دکھا دیا تو اسکے خلاف جو مسئلہ کوئی بیان کرتا ہے وہ لغو اور بیہودہ ہے اور اس میں اس مسئلہ کے بیان کرنیوالے کی جہالت اور حماقت کی زیادہ اور کچھ ثابت نہیں ہوتا سوائے اس صورت کے کہ اس سے ناواقفیت ایسا مسئلہ بیان ہوا ہو جو اقوال و افعال رسالت مآب کے خلاف ہو مصنف ہفتوات کو یاد رکھنا چاہئے کہ خوش الحانی سے شعر پڑھنا یا سننا ایک فطرتی تقاضا ہے اور بچپن سے اسکی لذت روح انسانی میں رکھی گئی ہے اور اسلام دین الفطرت ہی خدا کا کلام اور اس کا فعل مخالف نہیں ہو سکتے جس قدر کہ یہ جذبہ انسان کے اندر رکھا ہے وہ اس جذبہ کے صحیح استعمال اسے روک نہیں سکتا تھا۔

باقی رہا دوسرا سوال کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضہ کو حبشیوں کا ناچ کیوں دکھایا اور غیر مجرم پر نظر کیوں ڈلوائی؟ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں اعتراضات بالکل باطل اور جھوٹے ہیں۔ نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضہ کو ناچ دکھایا ہے اور نہ غیر مجرم پر نظر ڈلوائی ہے۔ اور مصنف ہفتوات نے دیدہ و دانستہ یہ اعتراض کیا ہے۔ کیونکہ جو احادیث انہوں نے نقل کی ہیں وہی ان اعتراضات کو رد کر رہی ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ وکان یوم عیدنا یلعب السودان بالدرق والحراب فاما سألت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واما قال تشتمہین تنظرین فقلت نعم فاقامنی وراء خدای علی خدای یقول دونکریابی ارفدۃ حتی اذا مللت قال حبیبک قلت نعم قال فاذهبی یعنی عید کا دن تھا اور حبشی لوگ ڈھالوں اور برچھوں سے کرتب کر رہے تھے مجھے یاد نہیں کہ میں نے خود کہا یا رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کیا تو دیکھنا چاہتی ہے؟ اسپر عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ پس آپ نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کر لیا اور پکی گال کے ساتھ میری گال لگی ہوئی تھی پھر آپ نے فرمایا اپنا کام کئے جاؤ اے بنو ارفدہ یہاں تک کہ جب میں ملول ہو گئی آپ نے فرمایا بس؟ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اچھا جاؤ۔ حدیث کے الفاظ واضح ہیں اسکا مطلب ظاہر ہے اس میں کسی اندر کے دربار کے ناچ کا ذکر

نہیں جنگی مشق کا ذکر ہے جو مسجد کے صحن میں صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے۔ پس اس پر اعتراض کرنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کو ناچ دکھایا۔ پس چاہئے کہ مسلمان تھبڑوں اور ناچ گھروں میں اپنی عورتوں کو لیجا کر یہاں دل درجہ کی بے حیائی اور شرارت ہے اور ایسا انسان جو جنگ کے فنون کو ناچ گھروں کے اعمال سے تشبیہ دیتا ہے یا تو خردماغ ہے جس کی عقل میں ادنیٰ سے ادنیٰ بات بھی نہیں آسکتی یا بے شرمی و بیحیائی میں اس قدر بڑھ گیا ہو کہ اس سے بڑھ کر کسی بے شرمی کا خیال کرنا بھی مشکل ہے۔ کیا فنون حرب کا استعمال ناچ ہوتا ہے۔ تو کیا جنگ کے موقع پر آگے پیچھے حرکت کرنا ناچ ہے؟ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جنہوں نے سب عمر جنگ میں گزاری وہ ہمیشہ ناچ گھروں کو ہی زینت دیتے رہے تھے؟ اگر کہو کہ وہ تو جنگ کے موقع پر اس فن کا استعمال کرتے تھے نہ کہ بے موقع۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی فن بلا سیکھے کے بھی آجاتا ہے؟ آخر پہلے تلوار پکڑنی اور پیرے بدلنا انہوں نے سیکھے ہونگے۔ نیزے کا وار اور ڈھال کا استعمال کرنے کی مشق کی ہوگی۔ تبھی آپ جنگ میں ان چیزوں کو استعمال کر سکتے ہونگے۔ تو کیا ان مشق کے ایام میں آپ ناچا کرتے تھے؟ وہ فن جو اعلیٰ درجہ کے شریف فنون میں سے ہے جس کے ساتھ قوموں کی عزت اور ترقی وابستہ ہے اسکو ناچ قرار دینا سوائے بے شرموں اور بزدلوں کے کسی کا کام نہیں۔ اور اسکو ناچ قرار دینا گویا خدا کے انبیاء اور اولیاء کو ایک طرف قرار دینا ہے۔ کیونکہ بہت سے انبیاء اور اولیاء فنون حرب میں ماہر تھے اور ان کو استعمال کرتے تھے۔

مصنف ہفتوات نے اس امر سے بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں کہ جب قدر زندہ قومیں ہیں وہ وقتاً فوقتاً فوجی کرتب دکھاتی رہتی ہیں جس سے ان کی ایک طرف تو یہ غرض ہوتی ہے کہ سپاہیانے ہاتھ سست نہ ہو جائیں اور ان کی مشق جاتی نہ رہے۔ دوسری نئی پود کے دل میں جنگی دلولوں کا پیدا کرنا اور ان کے دلوں میں اپنی ذمہ داری کا شعور پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تیسرے اس فطرتی تقاضا کا پورا کرنا مطلوب ہوتا ہے جو انسان کی طبیعت میں حصول فرحت و سرور کی خواہش کے رنگ میں ازل سے ودیعت کیا گیا ہے۔ جو لوگ نادان اور بے وقوف ہوتے ہیں وہ اس خواہش کو لغو اور بے سودہ طریق پر پورا کرتے ہیں لیکن نیک اور صالح لوگ اس خواہش کو ایسے رنگ میں پورا کرتے ہیں کہ خوشی کا سامان بھی بہم پہنچ جاتا ہے اور نیک نتائج بھی پیدا

ہو جاتے ہیں۔ پس بیوقوف ہے وہ شخص جو ان مشقوں اور مظاہروں کو ناپچ گھروں والی ناپوں سے تشبیہ دیتا ہے اور ان کو اخلاق کے خلاف قرار دیتا ہے۔ درحقیقت کسی قوم کی مردنی کی اس بڑھک کوئی علامت نہیں کہ اسکے افراد فنون جنگ کو نفرت کرنے لگیں اور انکو شان کے خلاف سمجھنے لگیں اور جس خاندان سے مصنف ہفوات اپنی آپکو منسوب کرتے ہیں اسکی ہلاکت کی ایک بہت بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ عیش پرست اور نکما ہو گیا تھا اور مجھے تعجب ہے کہ باوجود اس سخت گفت کے جو مصنف ہفوات کے خاندان پر اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ ان کی حکومت چھین لی ان کا حال چھین لیا ہے انکی عزت چھین لی ہے ابھی تک ان کے اندر انہی نیکیات کے خیالات جوش مار رہے ہیں جنہوں نے دہلی کی جنگ کے موقع پر بادشاہ کو رو کر قہر پور کر دیا تھا کہ وہ ان کے مکان کے سامنے سے جو بہترین موقع توپ چلانیکا تھا توپ کو ہٹائے اور اس طرح اپنی بزدلی کا اظہار کر کے اور اسکے مطابق بادشاہ سے عمل کرا کے شاہی خاندان اور دلی کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ اگر شاہی خاندان کی عورتیں فنون جنگ کو دیکھنے کی عادی ہوتیں اگر ان کو جنگی مظاہرات کا سوائے کر نیکا موقع دیا جاتا اگر وہ اپنے زمانہ کے ہتھیاروں کے استعمال کو دیکھ دیکھ کر ان کی ہیبت کو دل سے نکال چکی ہوتیں تو ایسی بد اندیشانہ حرکات ان سے کیوں ظاہر ہوتیں۔ اور اگر بادشاہ فنون جنگ کے ماہر ہوتے اور ان کی عمر اس قسم کے کاموں میں بسر ہوتی تو وہ جنگ اور اسکے نتیجہ سے آگاہ ہوتے تو وہ بیگم کی خواہش کو کیوں مانتے؟ وہ اسکی موت کو اسکی خواہش کے پورا کرنے سے ہزار درجہ بہتر سمجھتے کیونکہ ملک کی عزت اور اسکے وقار کے مقابلہ میں کسی فرد کی خواہ وہ بادشاہ کی بیوی ہو ہی کیوں نہ ہو کیا قدر ہوتی ہے؟

لوگ کہتی ہیں کہ بیگم نے انگریزوں سے ساز باز کیا ہوا تھا اور وہ تکلف و کامیابی تھی مگر یہ کہتا ہوں اگر جنگی مظاہرات ہوتے رہتے اور توپیں دھتی رہتیں اور ان کے دیکھنے اور ان میں حصہ لینے کا بیگمات کو موقع ملتا رہتا تو بیگم یہ بہانہ کیونکر بنا سکتی تھیں کہ بادشاہ اور وہ سر لوگ ان کو یہ نہ کہتے کہ یہ بات تو ہمیشہ قلم دیکھتی رہی ہو آج یہ نیا ڈر کہاں سے پیدا ہو گیا ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت جنگ میں حصہ لینے کے لئے نہیں پیدا کی گئی لیکن عورت کافنوں حربہ واقف ہونا ہنائت ضروری ہے ورنہ اگر اسکا دل تلوار کی چمک سے کانپ جاتا ہے

اور اس کا خون بندوق یا توپ کی آواز کو سن کر خشک ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بچوں کو خوشی سے دینا
جنگ میں جان کی اجازت کب دے سکتی ہے؟ اور ان کے دل سے آگے جھوٹے خوف کو کب دور کر سکتی
ہے؟ وہی اور صرف وہی عورت جورات اور دن اپنے زمانہ کے ہتھیاروں کی نمائش کو دیکھتی رہی،
اور اسکے دل سے ان کا خوف دور ہو جاتا ہے اور وہ انکو ایک کھلونا سمجھنے لگتی ہے اپنے بچوں کو
اس ذمہ داری کے اٹھانے کے لئے تیار کر سکتی ہے جو اپنے مذہب اور اپنے ملک کی طرف سے ان پر
عائد ہونیوالی ہے۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ جنگ سے قریب ترین نظارہ مصنوعی جنگ کا ہوتا ہے۔
جس میں دیکھنے والا بسا اوقات یہ خیال کرتا ہے کہ اب ایک شخص دوسرے کے وار کے آگے زخمی
ہو کر گر جائیگا اور ہتھیار کا حقیقی رعب اس سے قائم ہوتا ہے۔

غرض جنگ کے کرتب کروانے یا کرنے ناپاچ کر دانا یا کرنا نہیں ہے نہ انکا عورتوں کو دکھانا
ناپاچ دکھانا ہے بلکہ جنگ کے کرتبوں کی مشق کرنا مذہبی فرض ہے اور ملک کا حق ہے اور زندگی
کا نشان ہے اور عورتوں کو ان فنون کے دیکھنے کا موقع دینا ایک قومی ذمہ داری ہے جس کی نظر
سے بے توجہی غدار ہی ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر ممکن ہو سکے تو ان کو فنون جنگ سکھانے
چاہئیں جیسا کہ عرب لوگ سکھاتے تھے تاکہ وقت پر وہ اپنی عصمت اور عزت کی حفاظت
کر سکیں اور مصیبت کی ساعت میں اپنے مردوں اور اپنے بھائیوں کا ہاتھ بٹا سکیں۔ اسلام
کی تاریخ ان مثالوں سے بھرپور ہے کہ عورتوں نے جنگ میں خطرناک اوقات میں حبیب اور لشکر میسر
نہ آسکتے تھے مردوں کا ہاتھ بٹایا۔ اور ان کے ساتھ فتح میں شریک ہوئیں۔ ان کے حالات ہمارے
رگوں میں فخر کی لہر پیدا کر دیتے ہیں اور ان کے کارنامے ہماری ہمتوں کو بلند و بالا کر دیتے ہیں اور
مصنفا ہفتوات ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ بچیاں تھیں اور قوم اور ملک کیلئے ننگ وہ غیر
مردوں کا چہرہ دیکھنے والی تھیں اور جیسا اور شرم سے عاری۔ مگر میں کہتا ہوں یہ ننگ ہماری لئے
ستر کا موجب ہے، اور یہ ہمارے لئے عزت کا باعث ہے تیری عزت اور تیری جیاتیہ لئے ہے کہ
لہ وہ ہمارے لئے موجب ننگ و عار ہے۔

مصنفا ہفتوات کا یہ اعتراض کہ کیا حضرت عائشہؓ نے بغیر محرم پر نظر ڈالی اور رسول کریم
صالح نے نظر ڈالو اتی ایسا ہی بیوقوفی کا سوال ہے جیسا کہ پہلا۔ بغیر محرم پر نظر نہ ڈالنے کے معنی

نہیں ہیں کہ کسی صورت اور کسی غرض سے غیر مجرم کے کسی حصہ پر نظر ڈالنی منع ہے۔ اگر شریعت اسلامیہ کا یہ نکتہ ہوتا تو عورتوں کو چار دیواری سے باہر نکلنے کی اجازت نہ ہوتی اور مکان بھی بند دیکھوں گے بنائے جاتے جس قسم کے ظالم بادشاہ قید خانے تیار کراتے ہیں۔ مصنف ہفتوات کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ عورت بھی اسی قسم کی انسان ہے جس قسم کا مرد ہے اور اس کی طبعی ضروریات بھی مرد ہی کی طرح ہیں۔ خدا کا طبعی قانون دونوں پر یکساں اثر کر رہا ہے اور وہ قانون صحت کی درستی اور جسم کی مضبوطی کیلئے اس امر کا مقتضی ہے کہ کھلی ہو ایسی انسان پھرے اور روزانہ کافی مقدار میں نقل و حرکت کرے اور محدود دائرہ میں بند ہو نیک خیال اسکے اعصاب میں کمزوری نہ پیدا کرے جس خدا نے عورت کو ان قوتوں اور ان تقاضوں کیساتھ پیدا کیا ہے اور جس خدا نے اسکا ایک ہی علاج مقرر فرمایا ہے اسکا کلام عورت کو اسن ایک ہی علاج سے محروم نہیں کر سکتا سزا ایک آدمی کو دی جاسکتی ہے دو کو دی جاسکتی ہے لیکن قوم کی قوم کو نسل بعد نسل قید نہیں رکھا جاسکتا۔ آخر فطرت بغاوت کرے گی اور قید خانہ کی دیواروں کو توڑ کر رکھ دیگی۔

شریعت کا مقرر کردہ پردہ فطرت کے خلاف نہیں ہو اسکو جو لوگ توڑنے کی کوشش کرتے ہیں وہ فطرت کے تقاضے کو نہیں بلکہ ہواؤ ہوس کے تقاضے اور عیش پرستی کے جذبات کو پورا کرنے کیلئے ایسا کرتے ہیں۔ فطرت کے تقاضے قانون قدرت کے اندر اپنے نشان رکھتی ہیں اور ان کا توڑنا خدا کی کل کائنات کو مخالفت پر کھڑا کر دیتا ہے لیکن عورت کا بے محابا ہر مرد کے سامنے ہونا اسکی ساتھ بے تکلف ہونا اور علیحدہ ہو جانا کسی ایک قانون قدرت کو بھی مخالفت پر نہیں آمادہ کرتا بلکہ الٹا انسان کو اس کے اعلیٰ مرتبہ سے گرا کر حیوانی تقاضوں اور جذبات کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے پس اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا لیکن اس سے زیادہ پردہ کرانا یا اسکی خواہش کرنی خدا کے حکم کی اتباع نہیں ہے بلکہ اسکا مقابلہ ہے اور صرف ایک عارضی اور زیادہ اہم ضرورت کیلئے اسکو جاری کیا جاسکتا ہے جس طرح کہ ایک طبیب ایک بیمار کو چلنے پھرنے سے جو فطری تقاضے ہیں روک دیتا ہے۔

جبکہ شریعت عورت کو باہر نکلنے کی اجازت دی ہے اور صرف رمضان کا ایک حصہ اور بدن کو ڈھانپنے کا حکم دیا ہے اور ہاتھ اور پاؤں اور دوسری چیزیں جو ایسے موقع پر ظاہر ہو جائیں

ان کو ظاہر کرو سینے کی اجازت دی ہے تو یہ ضروری بات ہے کہ ایک عورت جو گھر سے باہر اس حالت میں نکلے گی اسکی نظردوں کے جسم کے بہت سے حصوں پر اسی طرح پڑے گی جس طرح کہ عورت کے بعض حصوں پر مرد کی پڑتی ہے۔ غرض بصر کے حکم نے یہ بتا دیا ہے کہ اصل چیز جو پردہ کی جان ہے دنوں کی نظردوں کو ملنے سے بچانا ہے اور جسم کا وہ حصہ جو پر نگاہ ڈالتے ہوئے آنکھیں ملنے سے رہی نہیں سکتیں یا اس امر کی احتیاط نہ مانت مشکل ہو جاتی ہے وہ چہرہ ہے۔ بقیہ جسم کو جبکہ وہ مناسب کپڑوں سے ڈھکا ہوا ہو نہ چھپانے کی ضرورت ہے، نہ اسے چھپایا جاسکتا ہے جب تک کہ عورتیں بازار اور گلیوں میں پھرنے نہ چھوڑ دیں یا قناتیں تان کر وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر نہ کریں لیکن کیا یہ ہر عورت کیلئے ممکن ہے؟

امرا کی عورتیں تو اپنے مکانات کی وسیع چار دیواریوں میں پھر بھی سکتی ہیں۔ غرباء کی عورتیں کہاں جائیں اور وسط طبقہ کی عورتیں کس طرح گزارہ کریں؟ مگر امرا کی عورتوں کو بھی یہی ملتا تھا کیلئے ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف جانا پڑتا ہے۔ جن تک انکی تمام زندگی کو ایک سخت قید کی ہم شکل نہ بنا دیا جائے اس وقت تک ان کو بھی کبھی نہ کبھی باہر نکلنا ہو گا۔ اور انکی نظر بھی لازماً گلیوں اور سڑکوں پر پھرنے والے اور برآمدوں اور بیٹیشوں اور گارڈوں پر بیٹھنے والے لوگوں کے بعض حصہ جسم پر پڑے گی سو اسے اس صورت پر کہ گھر سے نکلتے ہی ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی جائیں۔ جو عورت یہ کہتی ہے کہ باوجود باہر نکلنے کے اسکی نظر کسی مرد کے کسی حصہ جسم پر کبھی نہیں پڑی وہ جھوٹی ہے۔ اور جو مرد یہ امید رکھتا ہے کہ اسکی بیوی نے کسی مرد کو مذکورہ بالا طریق پر کبھی نہیں دیکھا وہ پاگل ہے۔

پردہ مرد اور عورت کیلئے برابر ہے۔ جب عورت باہر برقع یا چادر اوڑھ کر نکلتی ہے تو کیا مرد کہ اس کے پاؤں اور اسکی چال اور اسکا قد اور اس کے ہاتھوں کی حرکت اور اسے ہی اور کئی چیزیں نظر نہیں آتیں؟ اور کیا ان کا پردہ ممکن ہے؟ اگر عورت کے بعض حصہ مرد کو ضرور نظر آتے ہیں اور ان کا پردہ ناممکن ہے اور اس سے بھی زیادہ بعض حصہ ایسے ہیں جن کا پردہ غریبوں کے لئے ناممکن ہے تو پھر اگر اس حصہ یعنی مرد کا ڈھکا ہوا جسم اور اسکی حرکات عورت کو نظر آتی ہیں تو یہ امر اس کے لئے ناجائز کیونکر ہو گیا؟

پردہ مرد اور عورت کیلئے برابر ہے جیسے عورت کیلئے پردہ ہے ایسے ہی مرد کیلئے بعض لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ پردہ صرف عورت کیلئے ہے پردہ کے مسئلہ کو عقل کی روشنی میں مسائل کی چھان بین کر نہ والے لوگوں کیلئے لاینحل عقدہ بنا دیا ہے۔ اگر عورت کو چادر اوڑھ کر باہر نکلنے کا حکم دیا گیا ہے تو اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ پردہ کا حکم صرف اسی کیلئے ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ مرد کا اصل دائرہ عمل گھر سے باہر ہے اور عورت کا اصل دائرہ عمل گھر کی چار دیواری میں ہے۔ پس چونکہ عورت مرد کے اصل دائرہ عمل میں جاتی ہے وہ چادر اوڑھ لیتی ہے اور مرد چونکہ اپنے اصل دائرہ عمل میں ہوتا ہے وہ کھلا پھرتا ہے۔ اگر اسکو اپنے دائرہ عمل میں چادر اوڑھنے کا حکم دیا جاتا تو چونکہ اس کا وہاں قیام کا کام ہے اس کے لئے کام مشکل ہو جاتا اور وہ تھوڑے ہی دنوں میں اپنے مرتبہ عمل سے گر جاتا جس طرح کہ اگر عورت کو اسکے دائرہ عمل یعنی گھر کی چار دیواری میں چادر اوڑھ کر کام کرنیکا حکم دیا جائے تو وہ گھبرا جائے اور کام نہ کر سکے اس فرق کے مقابلہ میں مرد کو یہ حکم ہے کہ وہ عورت کے دائرہ عمل میں بالکل گھسے ہی نہیں، اور اسکو آزادی سے اپنا کام کرنے دے پس حکم برابر ہے عورت اگر مرد کے دائرہ عمل میں گھسنی ہے تو اسکے لئے حکم ہے کہ چادر اوڑھ لے اور مرد اگر عورت کے دائرہ عمل میں جانا چاہتا ہے تو اسے حکم ہے کہ بلا عورت کی اجازت کے ایسا نہ کرے اور مرد کیلئے یہ سختی بھی عورت کی رعایت کے طور پر نہیں بلکہ اسلئے ہے کہ مرد کے دائرہ عمل میں عورت کے بھی حقوق ہیں اور عورت کے دائرہ عمل سے مرد کے حقوق وابستہ نہیں۔ پس عورت کو اجازت کی ضرورت نہیں رکھی بلکہ صرف اوٹ کر لینا کافی رکھا ہے اور عورت کے دائرہ عمل میں مرد کے بلا اجازت داخلہ کو روکا گیا ہے۔ پردہ کے مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کو سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ میں کھڑے ہو کر ان فوجی کتیلوں کو دیکھ رہی تھیں جنکو مصنف ہفتوات اپنی نادانی سے ناچ گھروں کے ناچ سے تشبیہ دیتا ہے پس ان کا چہرہ تو اوٹ میں تھا اور وہ لوگ جو کرب کر رہے تھے ہاتھوں سے یہ کام کر رہے تھے ان کے چہرہ پر نظر ڈالے بغیر اور آنکھ سے آنکھ ملائے بغیر آپ ان کے فنون کو دیکھ سکتی تھیں پس بھی شریعت کے خلاف بات نہ تھی اس طرح ضروری اور علمی امور کو دیکھنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ جیسا کہ میں پہلے ثابت کر آیا ہوں۔ ضروری ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی نسبت روایات شیعہ اور سنی سے ثابت ہے کہ وہ بھی گھر سے باہر نکلتی تھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی تشریف لاتی تھیں اور حضرت ابوبکرؓ سے ذک کا مطالبہ کرنے بھی تشریف لے گئی تھیں اور کہیں تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت فنا میں کچھ پروردہ کر دیا جاتا تھا یا یہ کہ مردوں کو رہتہ چلنے سے روک دیا جاتا تھا ایسے اوقات میں لازماً ایسی نظر بھی گلیوں میں چلنے والے مردوں کے بعض حصص پر پڑتی ہوگی جس طرح کہ گلیوں میں چلنے والے مردوں کی نظر آپ کے ایسے حصص پر جو چھپائے نہیں جاسکتے پڑتی تھی۔ پس جو امور کہ خود ان لوگوں سے سرزد ہوتے رہے ہیں جنکو کہ آپ لوگ بھی بزرگ سمجھتے ہیں۔ ان پر اعتراض کرنا حد درجہ کی دھڑائی نہیں تو اذکر کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ کا صرف اس قدر قصور ہے کہ جس بات کو بہت سے لوگ اپنی منافقت کے پردہ میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں حضرت عائشہؓ اسکو مومنانہ سادگی سے بیان کر دیتی تھیں اور یہ قصور عقلمندوں کے نزدیک قصور نہیں۔ بلکہ قابل فخر جرات ہے۔

حضرت علیؓ کی محبت میں رسول کریمؐ کا اخلاف حق سے

ایک اعتراض مصنف ہفوات نے یہ کیا ہے کہ تاریخ بغداد اور شرح پنج البلاغت معترنی میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک دفع ایک صیاع کھجور کا ڈوکرا پڑا تھا اور آپ اس میں سے کھا رہے تھے میں جو گیا تو مجھے بھی کہا کہ کھاؤ۔ میں نے ایک کھجور اٹھائی اور حضرت عمرؓ نے سب کھجوریں کھالیں اور ایک ٹھیلیا پانی کی پی اور بار بار شکر خدا کا کرنے لگے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا مسجد سے حضرت عمرؓ نے پوچھا تمھارے عمر اور برادر کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا اپنے ہم سنوں میں کھیلتے ہوں گے (یعنی عبد اللہ بن جعفرؓ) انہوں نے کہا نہیں میں تمھارے بزرگ اہل بیت (یعنی علیؓ) کو پوچھتا ہوں؟ میں نے کہا وہ ایک بلغ نہیں اجرت پر پانی بھرنے جاتے ہیں۔ اور قرآن کی تلاوت کرتے جاتے ہیں۔

اسکے آگے مصنف ہفوات نے ان کتب کی عربی عبارتوں درج کی ہے۔ قال یا عبد اللہ علیک دماء البدن ان کتمتہا لعل یبقی فی نفسہ شیء من امر الخلافۃ قلت نعم

واذیدک سئلت ابی عما یدعیہ فقال صدق فقال عمر لقد کان من رسول اللہ من امر ذرو من قول لا یثبت حجۃ ولا یقطع عذر او لقد کان ینذغ فی امرہ وقتاماً ولقد اراد فی مرضہ ان یصترح باسمہ فمنعت من ذلک اشفاقاً و حیطة علی الاسلام و رب هذه المہیت لا یجتمع علیہ قریش ابد اولو ولہا لا انتقصت علیہ العرب من اقطارہا فہلم رسول اللہ انی علمت ما فی نفسہ فامسک والی اللہ الامضاء ما حتم۔ اس کا ترجمہ ان کے اپنے الفاظ میں یوں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے عبداللہؐ تم پر انٹوں کی قربانی فرض ہو جائے جو تم چھپاؤ۔ سچ کہو کیا علیؓ کے دل میں اب بھی ادعاۓ خلافت ہے؟ میں نے کہا ہاں بلکہ میں اس سے زیادہ بتاؤں کہ میں نے اپنے باپ سے بھی یہ بات دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ علیؓ کا دعویٰ سچا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آنحضرتؐ فہم علیؓ کے باب میں چند بار ایسے کلمات نکلے ہیں کہ وہ ثابت نہیں ہوتے اور نہ ان سے حجت قطع ہوتی ہے اس محبت کے سبب جو ان کو علیؓ سے تھی اور آنحضرتؐ اپنے مرض موت میں حق سے باطل کی طرف میل کرنا چاہا تھا کہ نام علیؓ کی صراحت کر دیں لیکن خدا کی قسم میں نے شفقت اُمت اور محبت اسلام کے سبب سے آنحضرتؐ کو منع کیا کیونکہ قریش خلافت علیؓ پر اتفاق نہ کرنے اگر وہ خلیفہ ہو جائے تو اطراف عرب میں (یعنی مہاجرین قریش) شورش کرتے۔ پس آنحضرتؐ نے جان لیا کہ میں اس بھید کو سمجھ گیا جو بات آنحضرتؐ کے دل میں تھی بایں وجہ آنحضرتؐ ساکت ہو گئے اور نام علیؓ کی صراحت نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ کو جو منظور تھا وہ حکم جاری ہوا۔

اور اس سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ (۱) کیا رسول خدا علیؓ کی محبت میں ایسے گرفتار تھے کہ معاذ اللہ حق سے باطل کی طرف میل کر جاتے تھے (۲) اور ایسے کوتاہ عقل (نور بالہ) کہ جو حضرت عمرؓ کو سمجھتی تھی وہ رسول اللہؐ کو نہ سمجھتی تھی (۳) پھر حضرت عمرؓ کو تو رسول اللہؐ اور آپؐ کی اُمت پر شفقت مگر خود رسول اللہؐ کو اپنی اُمت پر شفقت نہ ہو (۴) حضرت عمرؓ کو گستاخ و بے ادب ثابت کر کے ان کے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔

پیشتر اسکے کہ میں ان اعتراضات کا جواب دوں۔ اول تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ترجمہ میں صاحب مصنف نے خیانت سے کام لیا ہے۔ پہلی خیانت تو یہ ہے کہ لقد کان من رسول اللہ

من اصر ذرو من قول کلا یثبت حجة کا ترجمہ مصنف نے یہ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے علی رضی اللہ عنہ کے باب میں چند با ایسے کلمات نکلے ہیں کہ وہ ثابت نہیں ہوتے جس کے یہ معنی بنتے ہیں کہ گور رسول کریم ﷺ علیہ وسلم نے حضرت علی کے حق میں بعض باتیں فرمائی ہیں لیکن وہ غلط ہیں حالانکہ اصل عبارت کے یہ معنی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں جو محض اشارات کہی جاسکتی ہیں یا عبارتوں کے ٹکڑے ہیں۔ لیکن ان سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کیونکہ وہ باتیں واضح نہیں ہیں۔ ذرو من قول کے معنی یا حصہ کلام یا اشارہ کے ہوتے ہیں اسی طرح کلا یثبت حجة کے یہ معنی نہیں کہ وہ کلمات غلط ہیں بلکہ یہ کہ وہ ایسے واضح نہیں ہیں کہ ان سے دلیل پکڑی جاسکے۔ دوسری خیانت مصنف کی یہ ہے کہ انہوں نے ولود لیہما لا القضت علیہ العرب من اطرأہما کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اگر وہ خلیفہ ہو جائے تو اطراف عرب میں (یعنی ہاجرین قریش) شورش کرتے۔ گو یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ گور رسول کریم ﷺ صلعم خلیفہ مقرر کرتے تو ہاجرین انکار کیا کرتے اور سارے عرب میں شورش اُلا دیتے۔ حالانکہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو جائیں تو عرب لوگ چاروں طرف سوان کی مخالفت شروع کر دیں گے۔ اور اس میں ہاجرین کی مخالفت یا ان کی شورش کا اشارہ بھی نہیں۔ اگر کہا جائے کہ عرب میں ہاجرین بھی شامل تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس طرح عرب کے لفظ کے عام متنیے کرنے ہیں تو پھر عرب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے رشتہ دار بھی اور تمام بنو ہاشم اور بنو مطلب بھی شامل تھے۔ مگر یہ کوئی نہیں کہتا کہ اس بات کا یہ مطلب تھا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور عقیل بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کیلئے کھڑے ہو جائیں گے۔ مصنف کے ترجمہ کی ایسی غلطیوں کی طرف اشارہ کر کے جوابی دھج سے بتا رہی ہیں کہ جان اپنے مضمون کو زور دار بنانے کے لئے کی گئی ہیں۔ اب میں اس حدیث کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کے بعض حصے نہایت قابل اعتراض ہیں۔ اور اگر نہایت ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض آتا ہے اور اگر نہ ثابت ہوں تو حدیث جھوٹی قرار پاتی ہے۔ میں اس میں مصنف ہفوات سے بالکل متفق ہوں کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے لیکن اس کا اثر ختمائے اہل سنت پر کچھ نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ حدیث اہل سنت کی کتب معتبرہ میں سے نہیں ہے بلکہ اس کا اول راوی ایک ایسا شخص ہے جو گونہ سنی کہلا سکے اور نہ شیعہ مگر اس کی طبیعت کا اصل رجحان

شیعیت کی طرف ہے۔ پس اول تو جیسا کہ میں ثابت کر چکا ہوں بعض حدیثوں کے جھوٹا ثابت ہونے سے نہ علم حدیث پر اور نہ علمائے اہل سنت پر کوئی حرف آسکتا ہے۔ دوم یہ حدیث اہل سنت کی کتب سے نہیں شروع ہوئی اسکی ابتداء ان لوگوں سے شروع ہوئی ہے جو شیعیت کی طرف راجع ہیں۔ پس اگر اس سے کسی پر الزام لگ سکتا ہے تو شیعوں پر۔ سوم میں جہاں تک سمجھتا ہوں یہ حدیث ان بعض شیعوں کی بنائی ہوئی ہے جو جھوٹ کو اپنی تائید کے لئے جائز سمجھتے ہیں اور تفسیر کو دین کا ایک جزو قرار دیتے ہیں۔ اور مجھے افسوس ہے کہ ہمارے ہاں یہ ہے کہ احادیث پر ایک مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل شیعہ نے ظلماً اپنے مقاصد کے حصول کیلئے جھوٹی حدیثیں اہل سنت سے بیان کی ہیں تاکہ ان کی کتب سے اپنے مطلب کی روایات پیش کر سکیں۔ ایسی کئی حدیثیں تاریخ درایتاً اور دلائلاً انسان جھوٹا ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے اور پھر ساختہ ہی اسکو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ یہ اہل سنت کی بنائی ہوئی نہیں ہیں بلکہ اہل شیعہ کی ہیں۔

میرا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اہل سنت لوگوں میں ایسا کوئی شخص نہیں گزرا جس نے جھوٹی حدیث بنائی ہو یا یہ کہ شیعہ لوگ مذہباً جھوٹا بولتے ہیں۔ چاشاد کلاً اس سے زیادہ میرے ذہن سے اور کوئی بات دور نہیں ہو سکتی۔ میں طبعاً اور اخلاقاً اور علماً اور مذہباً اس امر کا مخالف ہوں کہ کسی قوم کو محض اختلاف عقائد کی وجہ سے ایسا سمجھ لیا جائے کہ اس میں گویا اخلاقی طور پر کوئی نیک ہی نہیں۔ میرے نزدیک شیعوں میں بھی سچ بولنے والے موجود ہیں جس طرح کہ ہندوؤں اور مسیحیوں اور یہودیوں اور سکھوں اور اہل سنت میں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس قوم میں نہایت زیادہ ہوگی اسکے زیادہ افراد بااخلاق ہونگے اور اس کا معیار اخلاق بھی بالا ہوگا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دنیا کی ہر قوم میں ایسے لوگ موجود ملیں گے جو ایک حد تک اخلاق کو پابند ہونگے اور بڑی بڑی بدخلقیوں سے پاک ہونگے۔ اسی طرح خواہ کوئی مذہب کتنا ہی تصرف اپنے پیروں پر رکھتا ہو اسلئے پیروں میں ایسے لوگ ضرور پائے جائیں گے جو بد اخلاقیوں کے مرتکب ہونگے اور انسانیت کا جامہ پھاڑ چکے ہونگے۔ پس بوضاحت بتادینا چاہتا ہوں کہ میں ہرگز کسی قوم کو جو مسیحی مذہباً اختلاف رکھتی اخلاق سے عاری نہیں سمجھتا اور نہ خیال رکھتا ہوں کہ جو لوگ میرے ہم خیال یا ہم مذہب ہیں وہ تمام کے تمام بد اخلاقیوں اور گناہوں سے پاک

اور ان میں کوئی بھی بدخلقی نہیں پائی جاتی مگر یہیں یہ ضرور کہتا ہوں کہ اگر کسی قوم میں یہ عقیدہ ہو کہ انسان اپنے عقیدہ اور یقین کے خلاف ضرورت وقت کو مد نظر رکھ کر بیان کر سکتا ہے اور عمل پر اسوہ سکتا ہے وہ قوم بہت زیادہ اس خطرہ میں ہے کہ اس کے کمزور اور ضعیف الاخلاق لو جھوٹ اور فریب کی مرض میں مبتلا ہو جائیں اور میں سمجھتا ہوں کہ بعض اہل شیعہ نے اس قسم کا عقیدہ ایجاد کر کے اپنے ہم مذہبوں پر ایک اخلاقی ظلم کیا ہے اور دوست بنکر دشمنوں کا کام کیا ہے مگر میں فطرت انسانی کو مد نظر رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ اکثر اہل شیعہ یقیناً اس خیال سے نفرت رکھتے ہوئے اور ائمہ اہل بیت کو اس ناپاک خیال سے پاک سمجھتے ہوئے اور اس گند کو انکی طرف منسوب نہیں کرتے ہوئے۔ بلکہ یقین رکھتے ہوئے کہ بعض نادان لوگوں نے یہ باتیں بعد میں گھڑی ہیں نہ تو ائمہ اہل بیت نہ تیار شیعہ اس بزم کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ مگر بہر حال چونکہ بعض لوگوں نے اس قسم کا عقیدہ گھڑا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اہل شیعہ میں اہل سنت کی نسبت بہت زیادہ لوگوں کو جھوٹی حدیثیں بنانیکا موقع مل گیا ہے اور ان میں سے بعض نے افسوس سے کہنا چاہئے کہ اہل سنت کا جامہ پہنکر شیعیت کے عقائد کو پرے پرے میں اہل سنت کی روایات میں داخل کرنا چاہا ہے۔

میں کہہ چکا ہوں کہ ائمہ اہل حدیث کا طریق یہ تھا کہ وہ احادیث کیلئے ایک خاص معیار مقرر کر کے جو حدیث اس معیار کے مطابق ان کو پہنچتی تھی وہ اسے روایت کر دیتے تھے۔ گو ان میں سے بعض جھوٹی بھی ہوں۔ اور جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں ان کا یہ طریق نہایت عجز اور دوراندیشی پر مبنی تھا پس اگر اس حدیث کے راوی کو گو کہ یہ صحاح میں یا معتبر کتب حدیث میں درج نہیں یا متداول قرار دیا جائے تو اس کی نسبت یہی کہا جائے گا کہ اس نے اپنے مقرر کردہ معیار پر اس حدیث کو صحیح یا اگر اسے اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ گو ممکن ہے کہ وہ خود بھی اسے جھوٹا سمجھتا ہو۔ اور جیسا کہ قوی اثر سے ثابت ہو یہ کسی ایسے ہی شیعہ کی بنائی ہوئی ہے۔ جس نے اپنے مذہب کو چھپا کر اپنے عقیدہ کی اشاعت کیلئے جو وسائل کو اپنا شیوہ بنایا ہو ابوء۔

میں اپنے اس خیال کی تائید میں مندرجہ ذیل شہادت پیش کرتا ہوں (۱) یہ حدیث جیسا کہ خود اس کی ہمارے قوں سے ثابت ہے۔ جھوٹی ہے۔ (۲) جب یہ جھوٹی ہے تو اس کو بنانے والا وہی

ہو سکتا ہے جس کو اس حدیث کے مضمون سے فائدہ پہنچ سکتا ہو اور (۳) یہ فائدہ ایک شیعہ ہی پہنچ سکتا ہے (۴) پس یہ کسی اہل شیعہ کی بنائی ہے۔

اس امر کا ثبوت کہ یہ روایت محض جھوٹی اور بناوٹی ہے مندرجہ ذیل ہے:-

۱۔ اس روایت کی بنیاد اس امر پر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواہش خلافت تھی اور وہ اپنا آپ کا اس کا حق دار سمجھتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت تک اس کا اظہار کرتے رہتے تھے اور یہ امر وہاں دورایتاً بالکل باطل ہے پس معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل جھوٹی ہے۔ کیونکہ واقعات کے خلاف ہے۔ درایتاً تو یہ امر اس لئے غلط ہے کہ یہ خیال کر لینا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا بہادر اور شجاع انسان ایک امر کو حق سمجھ کر پھر اسپر خاموش رہے اور رسول کریم صلعم کی وصیت کو پس پشت ڈال دے اور عالم اسلام کو تباہ کرنے کے بالکل عقل کے خلاف ہے۔ یہ امر ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بھی بیعت کی اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی بیعت کی اور پھر ان کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے اب ایک شخص جو دوسرے کی غلامی کا جو اپنی گردن پر رکھ لیتا ہے اور اس کی بیعت میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے اس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ دل میں بیعت کو اپنا حق سمجھتا تھا اور حق بھی لیاقت کی وجہ سے نہیں بلکہ منشاء شریعت کے ماتحت۔ اس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ پہنچا کہ وہ شخص اول درجہ کا منافق تھا۔ اور یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت امکانی طور پر ذہن میں لانی بھی گنہ معلوم ہوتی ہے۔ کچا یہ کہ اسکے وقوع پر یقین کیا جائے پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طریق عمل اس خیال کو باطل کر رہا ہے۔

..... اور جبکہ عقل اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ظاہر ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوست بن گئے ہوں اور ان کی بیعت میں ہوں اور دل میں یہ خیال کرتے ہوں کہ خدا اور اسکے رسول کے حکم کے ماتحت، وہ خلیفہ ہیں۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ روایت عقل کے خلاف ہونیکے سبب بناوٹی اور جھوٹی ہے۔

دوسری بات جو اسکو بالبداهت باطل ثابت کرتی ہے یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لڑکی کی شادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔ اب کوئی شخص ہی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک اعلیٰ درجہ کا ولی تو الگ رہا ایک غیور مسلمان سمجھتے ہوئے یعنی یہ خیال کر سیکے گا کہ انہوں نے اپنی لڑکی ایک منافق کو دیدی حالانکہ

قرآن کریم میں رشتہ ناطہ کے تعلقات میں سب سے زیادہ زور تقویٰ پر دیا ہے۔ اگر حضرت علیؓ جیسا انسان خوف سے یا لالچ سے اپنی لڑکی ایک منافق کو دے سکتا ہے تو ایمان کا ٹھکانا کہیں نہیں رہتا اور اسلام ایک موبہوم بات ہو جاتا ہے۔ پس حضرت علیؓ کا حضرت عمرؓ کو اپنی لڑکی بیباہ دینا اس امر پر شاہد ہے کہ وہ ان کو غاصب اور منافق خیال نہیں کرتے تھے بلکہ ایک سچا متقی اور حق دار خلافت سمجھتے تھے۔ یس تو جبران ہوتا ہوں کہ وہ لوگ جو خیال کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کو منافق سمجھتے تھے کس طرح خوارج کو اس بات کے کہنے کا موقع دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ بالحد من ذلک خلافت کی خواہش میں ایسے مخمور تھے کہ انہوں نے اپنی بیگنہ لڑکی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ایک منافق اور بے دین شخص کو جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے خلاف خلافت اور نیابت کے حق کو غصب کر کے دین کی بربادی اور تباہی میں مشغول تھا۔ دیدی انا للہ والیہ واجعون۔ مصنف صاحب ہفوات کو اگر اس نکاح میں شبہ ہو تو وہ شیعہ کتب مثلاً کلینی وغیرہ دیکھیں انہیں معلوم ہو جائیگا کہ کتب اہل شیعہ میں بھی اس نکاح کا ذکر ہے گو ایسے الفاظ میں ہے کہ تشریف آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے متعلق انہیں تسلیم نہیں کر سکتا۔

روایت کے علاوہ تاریخی طور پر بھی ایسے ثبوت ملتے ہیں کہ جو اس بات کو باطل قرار دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ دل میں خواہش خلافت رکھتے تھے۔ یا یہ کہ حضرت عمرؓ کو ان پر شبہ تھا۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بعض سفروں کے پیش آنے پر حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ مدینہ کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ واقعہ جسر کے موقع پر جو مسلمانوں کو ایرانی فوجوں کے مقابلہ پر ایک قسم کی رک اٹھانی پڑی تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کے مشورہ سے ارادہ کیا کہ آپ خود اسلامی فوج کے ساتھ ایران کی سرحد پر تشریف لجائیں تو آپ نے اپنے پیچھے حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ اب ہر اک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ ہر جگہ رہتے تو عمرؓ کو ضرور یہی شبہ ہوتا جیسا کہ اوپر کی روایت کے راوی نے ثابت کرنا چاہا ہے تو پھر وہ نہ تو غیب سے کئے گئے رتوں میں ان کو دار الخلافہ مدینہ کا گورنر کیوں مقرر کرتے؟ کیا ایسے شخص کو جس پر غلطی ہوتی ہے کوئی عقلمند صدر مقام کا بااختیار حاکم بنا سکتا ہے؟ وہ ضرور غلط

کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو میرے جانے کے بعد ملک میں بغاوت کر کے شخص حکومت پر قابض نہ ہو جائے
پس اگر فی الواقع حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ پر کوئی عیشہ ہوتا تو کسی صورت میں بھی آپ ان کو اپنی
غیبت کے ایام میں مدینہ کا گورنر نہ مقرر کرتے۔ اگر کوئی عیشہ صاحب یکہیں کہ اس سفر میں تو حضرت
عمرؓ چار یا پنج دن کے بعد ہی واپس آ گئے تھے اور لشکر کی کمان حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو
سپرد کر دی تھی تو انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اسکے بعد جب بیت المقدس کا محاصرہ مسلمانوں نے کیا
ہے اور وہاں کے لوگوں نے اس وقت تک ہتھیار ڈالنے سے انکار کیا ہے جب تک کہ خود حضرت عمرؓ
وہاں تشریف نہ لائیں۔ تو اس وقت بھی حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کو ہی اپنے بعد مدینہ کا گورنر مقرر
کر گئے تھے حالانکہ آپ کو کئی ماہ کا سفر پیش تھا جس میں دشمن کچھ کچھ کر سکتا ہے پس اگر یہ درست
ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ پر شک تھا یا ان کے حضرت علیؓ سے تعلقات اچھے نہ تھے
تو کب ممکن تھا کہ وہ انہیں مدینہ جیسے اہم مقام کا جو تمام فوجی طاقت کی کبھی تھی والی مقرر کرتے
اگر فی الواقع ان کے دل میں کوئی شک ہوتا تو وہ ضرور انہیں اپنے ساتھ لے جاتے تاکہ وہ ان کے
پچھے کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دیں۔ اب ایک طرف تو حضرت عمرؓ کا فعل ہے کہ آپ دو دفع حضرت علیؓ
کو اپنے بعد مدینہ کا گورنر مقرر کرتے ہیں۔ اور ان پر اس انتہائی درجہ کے اعتماد کا ثبوت دیتے ہیں
جو ایک بادشاہ اپنی رعایا کے متعلق رکھ سکتا ہے۔ دوسری طرف مذکورہ بالا روایت ہے کہ حضرت
عمرؓ کو حضرت علیؓ پر شک رہتا تھا کہ شاید خلافت کے حصول کا خیال اب تک ان کے دل میں
باقی ہے۔ ان دونوں چیزوں میں ہم کسے ترجیح دیں؟ حضرت عمرؓ کی فعلی شہادت کو یا ایک
راوی کی روایت کو جس کی روایات فتنہ پرداز میں خاص شہرت رکھتی ہیں۔ پس مندرجہ بالا
واقعات سے درایتاً و روایتاً دونوں طرح روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کو
حضرت عمرؓ سے کچھ پر خاش نہ تھی۔ اور نہ حضرت عمرؓ کو ان پر کسی قسم کی بدظنی تھی اور اوپر کی
روایت محض جھوٹ اور افتراء ہے۔

دوسرا ثبوت اس روایت کے جھوٹے ہونے کا خود اس کی اپنی عبارت ہے یہیں
لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اجرت پر پانی بھرنے جایا کرتے تھے
حالانکہ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں تمام اہل بیت کے

بیش بہا وظائف مقرر کر چھوڑے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وظائف ملا کر کوئی پندرہ بیس ہزار سالانہ ملجاتا تھا۔ اب ایسے شخص کی نسبت جس کی آمد پندرہ بیس ہزار روپیہ سالانہ ہو۔ یہ کہنا کہ وہ کسی کے بلغ میں پانی بھر کے روٹی کمایا کرتا تھا کس قدر خلاف عقل ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ کسی شخص نے جسے علم تاریخ سے کوئی لگاؤ تھا۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ کے بعض حالات متذکر جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسب حلال کے لئے مزدوری کر لیا کرتے تھے اس حدیث میں یہ بات بھی درج کر دی ہے اور یہ خیال نہیں کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں کی حالت اور تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اور۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ روایت جھوٹی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ کسی ایسے ہی شخص نے بنائی ہے جسے اس حدیث سے فائدہ پہنچتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس کا فائدہ سنیوں کو نہیں پہنچتا ہے بلکہ اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اس لئے سنی جان بوجھ کر ایسی حدیث ہرگز نہیں بنا سکتا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث سے کس قسم کو فائدہ پہنچتا ہے پوچھا ہے کہ اس حدیث سے شیعوں کو کئی طرح فائدہ پہنچتا ہے۔ اول اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ہنسی اڑائی گئی ہے کہ آپ ایک ٹوکرا کھجوروں کا کھا گئے۔ اور ایک ٹھلپا پانی کی پی گئے۔ دوم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مظلومیت بتائی گئی ہے کہ جب کہ تمام مسلمانوں کے گھر دولت سے بھر رہے تھے اور ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی بھی چار ہزار درہم سالانہ مقرر تھا آپ کو کوئی نہیں پوچھتا تھا اور آپ لوگوں کے کھیتوں پر پانی بھر بھر کر گزار دیتے تھے۔ تیسرے یہ بتایا گیا ہے کہ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کھجوریں کھاتے اور غیبت میں مشغول رہتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مزدوری کرتے اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے جو کہ یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دعوائے خلافت کے مؤید تھے۔ اب ہر اک شخص جو تعصب سے خالی ہوا۔ سے تسلیم کرے گا کہ ان سب باتوں کا فائدہ شیعوں صاحبان کو ہی پہنچتا ہے اور انہی کے عقائد اور دعووں کی اس میں تصدیق ہوتی ہے پس جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ حدیث روایت اور درایتاً جھوٹی ثابت ہوتی ہے تو اس کو

ثابت ہو جانے پر کہ اس حدیث کے مضمون کا فائدہ شیعہ صاحبان کو ہی پہنچتا ہے کس عقلمند کو اس بات کے تسلیم کرنے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کا بنانے والا کوئی دھوکا خور وہ شیخ جس نے مذہب کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے سچ کی تائید کے لئے ہر ایک تدبیر کا اختیار کرنا جائز ہے۔ کے شرمناک مسئلہ پر عمل کیا ہے۔ پس مصنف صاحب ہفوات کو سنیوں کے بزرگوں کو گالیاں دینے کا حق نہیں انہیں اپنے ہی بھائی بندوں کو سنا چاہئے۔

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ باوجود اسکے کہ اس حدیث کا جھوٹا ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ مگر نزدیک اس کا احراق اور احکام کا جائز نہیں کیونکہ جیسا کہ میں شروع میں ثابت کر چکا ہوں کسی کا حق نہیں کہ کسی مصنف کی تصنیف میں اپنی مرضی کے مطابق کوئی تغیر کرے۔ اگر مصنف صاحب ہفوات فرمائیں کہ جب حدیث جھوٹی ثابت ہو گئی تو اسکے رکھنے کا کیا فائدہ؟ مگر میں کہتا ہوں کہ فائدہ ہونا ہو تصنیف ایک امانت ہے اور اس میں تغیر ایک خیانت ہے جو مسلمان کے لئے جائز نہیں لیکن یہ بھی درست نہیں کہ ایسی حدیث کے رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس میں فائدہ ہے۔ ایسی احادیث انسانی اخلاق کے اس تاریک پہلو پر روشنی ڈالتی رہتی ہیں کہ بعض لوگ اپنے خیال کی تائید میں خدا کے مقدس رسولوں پر جھوٹ باندھنے سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ اور اس امر کے معلوم ہونے سے عقلمند انسان بہت سے گڑھوں سے بچ جاتا ہے۔

رو بہتان در سبکی عقل رسول گستاخی حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ایک اعتراض مصنف صاحب ہفوات نے یہ کیا ہے کہ مسلم کتاب الایمان جلد اول میں لکھا ہے کہ ایک دفع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی جوتیاں دیکر کہا کہ جو شخص تم کو ملے۔ اسے کہہ دو کہ جو لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ان کو ملے۔ ان کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات پہنچائی تو انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان سے گھونسا مارا کہ وہ گڑبڑ سے اور پھر فرمایا کہ واپس چلے جاؤ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ یعنی سب لوگ تباہ ہو گئے عموماً ان لوگوں کے کہ ایمان بھی لائیں اور نیک عمل بھی کریں انہیں لازوال ہر سے ملیں گے سو قرآن میں جو وہ بھی مکی سورۃ ہے فرماتا ہے۔ فَأَمَّا مَنْ تَفَلَّتْ مَوَازِينُهُ فَقُوِيَ عِيشَتُهُ رَاضِيَةً وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمِدَّتْ هَارُوِيَّةُ جس کے نیک عمل زیادہ ہونگے وہ تو پسندیدہ زندگی بسر کرے گا اور جس کے نیک عمل بدیوں سے کم ہونگے اس کا مقام دوزخ ہو گا۔ ان آیات سے ثابت ہے کہ مشروع سے اسلام ایمان اور اعمال کی اصلاح پر زور دیتا چلا آیا ہے۔ اور کسی وقت بھی اس نے یہ رخصت نہیں دی کہ صرف لا الہ الا اللہ پر ایمان لے آؤ۔ کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ کوئی زمانہ اسلام پر ایسا بھی آیا ہے تب بھی اس حدیث کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کیونکہ جیسا کہ تاریخ اسلام کے واقف لوگ جانتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے صرف ساڑھے تین سال پہلے ایمان لائے تھے یعنی صلح حدیبیہ اور جنگ خیبر کے درمیان کے زمانہ میں۔ دوسرے جیسا کہ اس حدیث کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے اور دوسری تاریخ شہادتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے صرف دو سال پہلے کا ہے جبکہ مدینہ پر بعض سیحی قبائل کے حملہ کی افواہیں گرم تھیں ان ایام میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذہنی آنکھوں سے اوٹھنا ہونا مسلمانوں میں گھبراہٹ پیدا کر دیتا تھا۔ پس جو واقعہ کہ عرب کی فتح کے بعد اور مشرکوں کے مغلوب ہو جانے کے بعد ہوا ہے۔ اس کی نسبت یہ کہنا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ سر دست اتنا کافی ہے کہ لا الہ الا اللہ کہہ دو۔ کس قدر حماقت اور بے وقوفی کی بات ہے۔ کیا اس قسم کی آسان بات اب تو دیکھائی ہیں یا آخریں؟ پس اس حدیث کا وہ مطلب ہرگز نہیں جو مصنف ہفوات نے سمجھا ہے۔ اور اسی غلط مطلب کا نتیجہ ہے کہ انہیں دہ۔ ل الجنة کا ترجمہ یہ کرنا پڑا ہے کہ وہ داخل امن ہے اسکی جان و مال کو کوئی جو کہو نہیں۔ جنت کا یہ ترجمہ خود مصنف ہفوات کی پریشانی

پر دلالت کرتا ہے نعمائے دنیوی کا نام تو بے شک جنت رکھا جاسکتا ہے لیکن یہ مضمون بیان کرنے کے لئے کہ ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے جنت کے لفظ کا استعمال صرف اپنی کے دماغ کی اختراع ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس حدیث کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جو صرف لا الہ الا اللہ کہہ دے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ نہ یہ مطلب کہ اسے ہم کچھ نہیں کہیں گے تو اب سوال یہ ہے کہ اس کا کیا مطلب تھا؟ سو یاد رکھنا چاہئے کہ ہر ایک تعلیم کا ایک مرکزی نکتہ ہوتا ہے اور اختصار کے لئے کبھی اس مرکزی نکتہ کو بیان کر دیا جاتا ہے اور مراد یہ ہوتی ہے کہ تمام تفصیلات اس کے اندر شامل ہیں اور یہی نکتہ تھا جسے سمجھانے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بھیجا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی کے مقام پر توحید کے حقائق پر غور کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحش پیدا ہوا ہے کہ میں ایک نئے رنگ میں امت کو توحید کے نکتہ مرکزی ہونے کی طرف توجہ دلاؤں اور اسکے لئے آپؐ یہ طریق اختیار کیا کہ ایک صحابی کو اس کا اعلان کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ رہتے ہیں۔ آپؐ کو دو خیال پیدا ہوئے (۱) اگر اس پیغام کو محمد و دو معنوں میں لیا جائے (جن معنوں میں کہ مصنف ہفوات قلت تدریکی وجہ سے لیا ہے) تو وہ درست نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ صرف لا الہ الا اللہ کہنا کافی ہے جبکہ قرآن و تعلیم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان معنوں کو رد کر رہے ہیں۔ پس ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کو سمجھنے میں غلطی ہو گئی اور ان کو رد کرنا ضروری ہے (۲) اگر اسکی بجائے اسکے عام معنی لئے جائیں تو یہ درست ہو لیکن ممکن ہے کہ لوگ اس کے معنی غلطی سے کچھ اور لیں اور اسلام میں رخنہ اندازی کریں۔ چونکہ آپؐ جانتے تھے کہ جس نکتہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھانا چاہتے ہیں خاص لوگ اسے پہلے ہی آپؐ کی تعلیم کے اثر سے سمجھ چکے ہیں اور عوام ان الفاظ سے دھوکھا کھا سکتے ہیں اسلئے آپؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو رد کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ چونکہ اس بار ایک بنی سے حصہ نہ رکھتے تھے جس سے عمرؓ انہوں نے نہ مانا اور اس پر حضرت عمرؓ نے ان کو دھوکا دیکر واپس کرنا چاہا اور وہ

اگر گئے ورنہ عقل اس امر کو باور نہیں کر سکتی کہ بغیر کچھ بات کہنے کے حضرت عمرؓ نے ابوہریرہؓ کو مارا ہو۔ غرض جب رسول کریم ﷺ نے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر اپنے حقیقت کا اظہار کیا تو رسول کریم ﷺ نے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی بات کو تسلیم کر لیا۔ اور آپ کا تسلیم کر لینا ہی بتاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے خیال کو آپ نے صحیح سمجھا۔ باقی رہا یہ خیال کہ کیا رسول کریم ﷺ نے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا خیال نہ کیا جس کا حضرت عمرؓ نے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق لوگوں سے اور قسم کا تھا اور حضرت عمرؓ کا اور قسم کا تھا اور حضرت عمرؓ سے واقف تھے جو اپنی بے ایمانی یا عقل کی کمزوری کی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو غلط رنگ دینے یا غلط طور پر سمجھنے کی مرض میں مبتلا تھا۔ پیش جب انہوں نے رسول کریم ﷺ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کی طرف توجہ دلائی کہ ایسے لوگ اس حدیث کو مستحکم عمل ہی سمجھ رہے ہیں۔ تو آپ نے بھی ان لوگوں کو ٹھوکر سے بچانے کے لئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ حضرت عمرؓ جیسے لوگ اس مسئلہ کو سمجھ ہی چکے ہیں پس یہ صدیقنا مسلمانوں میں سے میٹگی نہیں اپنے حکم کو منسوخ کر دیا اور ان الفاظ میں اعلان کرانے کی ضرورت نہ سمجھی جن الفاظ میں اعلان کرنے کا حکم کہ اس نے پہلے آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔

غرض یہ حدیث ہرگز قابل اعتراض نہیں ہے اور اس پر اعتراض صرف جہالت سے پیدا ہوا ہے جو تدریجاً کرنے والے لوگ ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس حدیث سے بچائے اعتراض کے صحابہ کا درجہ عظیم ظاہر ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ (۱) وہ لوگ دین کے لئے غیرت رکھتے تھے اور رسول کریم ﷺ نے اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کے معجز کی حفاظت پر بہت حریص تھے (۲) وہ لوگ آپ کے اشارات کو خوب سمجھتے تھے اور پیشتر اس کے کہ آپ بالوضاحت کسی امر کو بیان کریں آپ کے کلام کی تمہیدات سے ہی آپ کے مطلب کو سمجھ جاتے تھے (۳) یہ کہ رسول کریم ﷺ نے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کے اخلاص پر پورا یقین تھا۔ اور آپ ان کے مشوروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

تعجب ہے کہ مصنف ہفوات اپنی اندرونی کیفیت کی وجہ سے اس خیال کی طرف تو چلے گئے کہ حضرت عمرؓ کی سمجھ میں جو بات آئی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سمجھ میں نہیں آئی مگر اوصاف میں نہ گیا کہ حضرت عمرؓ جو نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مفہوم اچھی طرح سمجھ گئے تھے اس لئے آپ نے اس اعلان کرانے کی ضرورت نہ سمجھی تانا اہل لوگ دھوکا نہ کھائیں۔

مصنف صاحب ہفوات نے اس جگہ اپنے بغض کے اظہار کے لئے یہ طریق بھی اختیار کیا ہے کہ بزرگ خود حضرت عمرؓ کے چند عیوب بیان کر کے لکھے ہیں کہ کیا ایسا شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو رد کر سکتا تھا؟ میں جیسا کہ بتا چکا ہوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کے رد کرنا ایک اوپر کے واقعہ سے کوئی ثبوت ہی نہیں ملتا۔ بلکہ آپ کی حقیقی تعلیم کے سمجھنے اور اس کی تصدیق کرنے کا علم ہونا ہے پس یہ تو سوال ہی نہیں باقی رہا کہ حضرت عمرؓ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ڈرتے تھے۔ یہ عیب کی بات نہیں غبی ہے۔ میں اس شیعہ کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ جو یہ کہے کہ حضرت علیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ڈرتے تھے۔ نبیوں سے ڈرنا عین ایمان کی علامت ہے اور صرف بے ایمان ہی اس جذبہ سے خالی ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان خوف و رجاء کے درمیان ہے اسی طرح نبیوں پر ایمان بھی خوف و محبت کے درمیان ہے۔ جتنا کہ دونوں جذبات نہ ہائے جائیں ایمان کامل ہو جاتا ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ مصنف ہفوات اپنے دلوں سے کوئی بات کہیں کہیں جو مثال پیش کرتے ہیں وہ حد درجہ کی کمزور اور بزدلی ہے وہ تفسیر حسینی اور قزوینی کے ہمارے ہاتھ میں آئے ہیں کہ جو آیت حرمت شراب کے متعلق نازل ہوئی تھی وہ حضرت عمرؓ اور اس وقت کے خاص طور پر بلا کر سنائی جاتی تھی۔ لیکن آپ ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ اے خدا حرمت شراب کے بارے میں اور واضح بیان نازل فرما۔ لیکن جب وہ نہ ملے تو پھر جو کچھ ہوا وہ بقول مصنف یہ تھا کہ حضرت عمرؓ شراب سے باز نہ آئے اور اس خور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مارا اور تباہ وہ باز آئے۔

مذکورہ بالا بیان میں مصنف ہفتوات نے یہ اعتراض کئے ہیں۔ اول حضرت عمر رضی
شراب پیا کرتے تھے دوم ان کی حالت کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص
طور پر ہلا کر انہیں احکام حرمت سنوایا کرتے تھے۔ سوم باوجود اس کے وہ باز نہ آتے اور
یہی کہتے جاتے تھے کہ خدایا حرمت شراب کے حکم کو اور بھی واضح کر۔ مجھے ہفتوات کے مصنف
پر تعجب ہے کہ وہ صریح کلام کی موجودگی میں ہمیشہ الٹی چال چلتے ہیں اور غلط معنی ہی لیتے
ہیں۔ اصل حدیث کو دیکھ کر کوئی شخص ایک منٹ کیلئے بھی نہیں خیال کر سکتا کہ حضرت عمر رضی
شراب کی عادت تھی اور وہ اسے چھوڑنے نہ تھے اس لئے ان کو احکام سنائے جاتے تھے مگر
وہ پھر بھی نہ مانتے تھے بلکہ الفاظ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی شراب کے مخالف تھے
اور ان کے اس شوق کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو شراب کے متعلق آیات
سنایا کرتے تھے مگر چونکہ اس وقت تک قطعی حکم مانعت کا نہ آیا تھا۔ حضرت عمر رضی خواہش
کرتے کہ کاش اس سے بھی واضح الفاظ میں شراب حرام کی جائے تاکہ کوئی شخص اس کے
قرب بھی نہ بجائے۔ چنانچہ حدیث یہ ہے۔ عن عبد بن الخطاب انہ قال اللہم
بین لنا فی الخمر بیان شفاء فنزلت التي فی البقرة یسئلونک عن الخمر
والمیسر الا یہ فدعی عمر فقرأت علیہ فقال اللہم بین لنا فی الخمر
بیان شفاء فنزلت التي فی النساء یا ایہا الذین امنوا لاتقربوا الصلوة
وانتم سکا دی۔ فدعی عمر فقرأت علیہ لشر قال اللہم بین لنا فی الخمر
بیان شفاء فنزلت التي فی المائدة انما یبید الشیطان یوقع بینکم
العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر الى قوله فمیل انتم منتھون فدعی
عمر فقرأت علیہ فقال افتهینا افتهینا۔ ترمذی مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۷۶۔ یعنی
عمر بن الخطاب کی روایت ہے کہ آپ نے کہا کہ اے اللہ ہمارے لئے شراب کا مسئلہ
اس طرح بیان کر دے کہ پھر اور حاجت نہ رہے اس پر سورہ بقرہ کی آیت یسئلونک عن
الخمر والمیسر (مجھے سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو کہہ دے کہ ان
پیدا ہونے والا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے) اس پر عمر رضی کو بلا یا گیا اور انہیں آیت

بڑھ کر سنائی گئی مگر انہوں نے اس آیت کو سن کر پھر بھی یہ کہا کہ اے اللہ ہمارے لئے شراب کے متعلق کوئی ایسا حکم دے جو بالکل واضح ہو کہ کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو اس پر سورہ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اے مومنو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ اس پر عمرہ کو پھر بلایا گیا اور یہ آیت سنائی گئی مگر آپ نے پھر یہی کہا کہ اے خدا کوئی واضح حکم جس کے بعد تاویل کی گنجائش نہ رہے شراب کے بارہ میں بیان کر۔ اس پر مائدہ کی یہ آیت اتری کہ شیطان تو شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تم میں عداوت اور بغض ہی پیدا کرنا چاہتا ہے اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے روکنا چاہتا ہے پھر کیا تم (شراب اور جوئے سے) باز آؤ گے (یا نہیں؟) اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب ہم باز آگئے ہم باز آ گئے۔

اس حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ شراب کے مخالف تھے کیونکہ حدیث میں صاف بیان ہے کہ جو وقت شراب کے متعلق ابھی کوئی حکم نہ آیا تھا اس وقت حضرت عمرؓ دعا کیا کرتے تھے کہ خدایا شراب کے متعلق کوئی حکم نازل فرما اگر وہ شراب کے خواہشمند تھے تو انہیں اس دعا کی ضرورت نہ تھی؟ شراب تو پہلے ہی ملک میں رائج تھی اور سب لوگ اس کو استعمال کرتے تھے پھر اس کی حلت کے لئے دعا کرنے کی انہیں کیا ضرورت تھی؟ جو چیز ملک میں پہلے ہی سے رائج ہو اور اس سے منع نہ کیا گیا ہو کیا اس کا مشتاق یہ دعا کر سکتا ہے کہ خدایا اسکے بارہ میں کوئی واضح حکم دے۔ یہ دعا تو صرف وہی کر سکتا ہے جو اس چیز کو رکوانا چاہتا ہے پس جبکہ شراب کی ممانعت نہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی نہ رسول کی طرف سے تو حضرت عمرؓ کا خدائی حکم کہ لئے دعا مانگنا صاف بتاتا ہے کہ آپ اس کے حرام کئے جانے کی دعا کرتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب ایک آیت اس بارہ میں اتری تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر انہیں بلا کر سنائی تا انہیں خوشی ہو کہ میری خواہش اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ساتھ مل گئی۔ مگر چونکہ ملک میں شراب کا بہت رواج تھا حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ شراب اس طرح نہ کیے گی۔ انہوں نے پھر دعا کی کہ خدایا اسے اور واضح کر۔ اس دفع کی دعا سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ شراب کے مخالف تھے۔ کیونکہ جب کہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ شراب میں نقصان زیادہ ہے تو اور بھی وضاحت کی خواہش کے یہی معنی ہیں کہ صرف یہ نہ فرما

کہ اس میں نقصان ہیں بلکہ اسکو منع فرما۔ اگر وہ شراب کی تائید میں ہوتے تو اس موقع پر
 چاہتے تھا کہ یہ دعا کرتے کہ اے خدا! شراب کی خوبیاں بیان فرما اور اس آیت کو منسوخ کر دے
 مگر وہ تو وضاحت چاہتے ہیں اور بری چیز کے متعلق حکم کی وضاحت اس کی حرمت کے ذریعہ سے
 ہی ہو سکتی ہے۔ جب ایک اور آیت نازل ہوئی کہ نشہ کے وقت نماز کے قریب نہ جاؤ (میں ان
 معنوں کو حدیث کے الفاظ کی بنا پر لے رہا ہوں ورنہ میرے نزدیک اس آیت کے معنی بالکل
 اور ہیں) تو پھر آپ نے وہی خواہش ظاہر کی کہ اس سے بھی واضح حکم ہو۔ آخر صاف الفاظ میں جب
 مخالفت ہوئی تو آپ کی تسلی ہو گئی۔ غرض الفاظ حدیث واضح طور پر بتاتے ہیں کہ حضرت عمرؓ
 شراب کے مخالف تھے اور یہ جو آخر حدیث میں لفظ ہیں کہ ہم باز آگئے باز آگئے ان سے مراد
 خود حضرت عمرؓ نہیں بلکہ مسلمان بحیثیت قوم ہیں۔ اور ان الفاظ کے یہ معنی ہیں کہ اب ہماری
 قوم باز آجائیگی۔ کیونکہ حکم صاف طور پر نازل ہو گیا ہے اور اب کسی کوتاہی کی گنجائش نہ رہی
 ورنہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جو شخص شراب کی حرمت کی خواہش رکھتا ہو وہ خود شراب پیتا ہو
 اور باز آجائے۔ اس کی مراد اپنا نفس ہو جسے سمجھتا ہوں کہ اس جواب سے ہر شخص پر مصنف
 ہفوات کے اعتراض کی لغویت ظاہر ہو جائیگی۔ اور جو ان کی دھکی ہے کہ حضرت عمرؓ کے
 چارہ آنے پر جو کچھ ہوا اسے ہم آگے بیان کرینگے۔ میں بھی انشاء اللہ اسی موقع پر ان کے
 اس بیان کی قلعی کھولونگا۔ والتوفیق من اللہ ۛ



تقاریر و تصانیف حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایده الشہ بنصرہ

قیمت	نام کتب	قیمت	نام کتب
۱۸	ترک موالات اردو	۱	منصب خلافت
۴	انگریزی	۴	برکات خلافت
۴	تحفۃ الملوک قسم اول	۱۲	انوار خلافت
۱۲	دوم	۱۲	حقیقۃ الرؤیا
۱۲	انگریزی	۴	ذکواتی
۴	صادقوں کی روشنی	۱۰	عرفان الہی
۱۲	تحفہ شہزادہ ویدیز طبع دوم اردو	۴	تقدیر الہی
۴	مجلد	۱۰	ملائکہ الشہ
۴	انگریزی	۱۱	اسلام میں اخلاف کا آغاز
	غیر مجلد نہایت اعلیٰ کاغذ	۱۰	ہدایات بڑیں
۱۰	کلام محمود مجلد	۴	اسلام اور دیگر مذاہب
۱۳	خطبات محمود	۶	انگریزی
۲	مدیح تقویٰ	۲	القول الفصل
۴	ہستی باری تعالیٰ	۲	حقیقۃ الامر
۱۳	نجات (حصہ اول)	۴	آئینہ صداقت

ان کتب کے علاوہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ہر ایک کتاب بک ڈپو تالیف و اشاعت
قادیان سے مل سکتی ہے

مینہ

بک ڈپو